ملفوظات حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ

حضراتِ اکابر میں شانِ فنا

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو بات ہمارے حضرات میں تھی وہ کسی میں بھی نہ دیکھی، اپنے کو مٹائے فنا کئے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ باوجود شغلِ علم کے اور ساری عمر پڑھنے پڑھانے کے گو علوم تو حاصل نہیں ہوئے مگر اپنے جہل کا علم ضرور ہو گیا کہ تم کو کچھ نہیں آتا جاتا۔ (ملفوظات حکیم الامت ج ۶ ص ۳۵۳)

حضراتِ اکابر کی جامعیت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس زمانہ میں اپنے حضرات کے علوم اور شانِ تحقیق کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بڑے درجہ کے لوگ پیدا کئے ہیں۔ ان حضرات کی واقعی یہ حالت تھی کہ جامع تھے ظاہر اور باطن کے، کسی نے خوب ہی کہا ہے ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق

ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

خصوصاً تصوف میں تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ تحقیق عجیب ہی تھی۔ اپنے زمانہ میں امام مجتہد مجدد اور محقق تھے۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ اب اس زمانہ میں رازی اور غزالی نہیں پیدا ہوتے۔ میں نے کہا کہ ہمارے اکابر کے ملفوظات اور تحقیقات دیکھ لو، معلوم ہو جائے گا کہ اس زمانہ میں بھی رازی اور غزالی موجود ہیں۔ صاحب! نبوت ہی تو ختم ہوئی ہے، باقی اور کمالات کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اُن کا زمانہ اس قدر فتن اور شَر کا نہ تھا جیسا کہ اب ہے۔ یہ سب ان حضرات کی تصنیفات اور تحقیقات دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے مگر ان کو دیکھتا کون ہے کیونکہ مذاق ہی بگڑ گیا ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت ج ۸ ص ۳۹)

ضروری تفصیل

نامِ وعظ: صراطِ مستقیم اور اتباعِ اکابر

نامِ واعظ: شیخ الحدیث، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالمتین بن حسین صاحب دامت برکاتہم

تاریخِ وعظ: ۲۹ شعبان ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۱/اپریل ۲۰۲۱ء بروز اتوار
۱۲ رمضان ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۴/اپریل ۲۰۲۱ء بروز ہفتہ
۱۶ رمضان ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۸/اپریل ۲۰۲۱ء بروز بدھ
۳ ذوالقعدہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳/جون ۲۰۲۱ء بروز اتوار

مقام: خانقاہ امدادیہ اشرفیہ (یادگار خانقاہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نزد مسجد بیت الحق)، ڈھالکانگر، ڈھاکہ، بنگلہ دیش

موضوع: طریقِ اکابرِ دین ہی صراطِ مستقیم ہے

اشاعتِ اول: شوال المکرم ۱۴۴۴ھ مطابق مئی ۲۰۲۳ء

ناشر: ادارہ تالیفات اختریہ
بی ۳۸، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی

فہرست

عنوانات | صفحہ نمبر

صراطِ مستقیم اور طریقِ اکابر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○

(سورۃالتوبۃ: آیۃ ۱۱۹)

وَقَالَ تَعَالٰی اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا ○

(سورۃالفرقان: آیۃ ۵۹)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبْعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)؛ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ؛ ص ۳۰)

وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ

تَمَسَّکُوْا بِھَا وَعَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)؛ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ؛ ص ۳۰)

وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَلْبَرَکَۃُ مَعَ اَکَابِرِکُمْ

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: (دار الکتب العلمیۃ)؛ کتاب الایمان؛ جزء ۱ ص ۱۳۱)

میرے دوستو! بندے کی کامیابی بندہ بن کے رہنے میں ہے۔ بندہ اگر بندہ بن کے رہے تو یہ کامیاب بندہ ہے، اگر قیدِ بندگی سے آزاد ہو گیا تو یہی ہلاکت ہے، یہی ضلالت ہے اور یہی دوزخ کا راستہ ہے۔ اور بندہ بننے کے لئے ضروری ہے کہ اتباعِ شریعت اور اتباعِ سنت کا ذوق ہم اپنے اندر پیدا کریں۔ جس کو یہ طبیعت حاصل ہوگئی، یہ مزاج

اور ذوق حاصل ہوگیا کہ رضائے محبوبِ حقیقی کی تلاش اور فکر کا واحد طریق اس کے نزدیک اتباعِ شریعت ہے تو یقیناً یہ حق پر ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی شرط ہے کہ عمل وہ مقبول ہے جو علم کے موافق اور تابع ہو اور علم وہ معتبر ہے جو اکابرِ دین کے علم اور تحقیقات کے موافق ہو، کیونکہ اکابر ان کو کہتے ہیں جو علم میں بڑے ہیں، فہمِ دین میں بڑے ہیں، اتباعِ شریعت میں بڑے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پر علمِ عظیم

حق تعالیٰ نے ہمیں دین کی فہم اور دین کی اتباع کے بارے میں قرآن وحدیث دے کر آزاد نہیں چھوڑ دیا کہ تمہیں قرآن دے دیا اور جو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علوم ہیں، آزادی سے اس کی پیروی کرو بلکہ شروع ہی میں قرآنِ پاک کے اندر یہ سبق بتایا کہ کہو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھائیے۔ معلوم ہوا کہ ایک تو ''راستہ'' ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ اے اللہ! ہمیں راستہ بتلا دیجئے تو جب اللہ تعالیٰ خود راستہ بتلائیں گے تو کیا غلط راستہ بتلائیں گے؟ نہیں، لیکن خود ہی فرماتے ہیں کہ اَلصِّرَاطَ تک مت رُکو، کہو کہ اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ بالکل سیدھا راستہ ہمیں عنایت فرما دیجئے، اس کی ہدایت، اس کی فہم اور توفیق عطا فرما دیجئے۔ سیدھا کا کیا مطلب ہے؟ تُعْرَفُ الْاَشْيَآءُ بِاَضْدَادِهَا کسی چیز کی ضد سمجھ میں آئے تو وہ شے، اس کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے کہ بھئی! پانی ٹھنڈا لاؤ۔ اب ٹھنڈا کیا ہے؟ جو گرم نہ ہو۔ گرمی اور ٹھنڈک میں تضاد ہے، اگر ٹھنڈا ہے تو گرم نہیں، گرم ہے تو ٹھنڈا نہیں ہے۔ تو سیدھا راستہ کیا مطلب؟ جس میں ٹیڑھا پن بالکل نہ ہو، ایسا راستہ جو بالکل محبوبِ پاک کی طرف لے جائے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مقصود ہو، ان کی رضا، ان کا قرب ہی مقصود ہو اور کچھ بھی نگاہ میں نہ ہو۔

اب نہ کہیں نگاہ ہے، اب نہ کوئی نگاہ میں
محو کھڑا ہوا ہوں میں حُسن کی جلوہ گاہ میں

نگاہ میں کوئی نہیں صرف وہ محبوبِ پاک ہے۔ توحید بڑی عجیب چیز ہے، انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے، تمام ظلمات اور گرد وغبار کو دور کر کے بالکل پاک وصاف کر کے نور ہی

نور کے اندر پہنچا دیتی ہے۔ایمان اگر سینہ میں آ گیا، دل میں اُتر گیا تو پھر انسان بالکل کامیاب ہے۔لیکن ہمارے ایمان کا کیا حال ہے، اللہ معاف فرمائے۔ایک بزرگ نے فرمایا تھا کہ اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس دور کے لوگوں کو دیکھتے تو کہنے پر مجبور ہوتے کہ کیا یہ لوگ مسلمان ہیں؟ آج کے مسلمانوں کو دیکھ کر صحابہؓ یوں سمجھتے کہ یہ سب کفار ہیں اور اب کافروں کو مسلمان کہا جا رہا ہے۔اور دنیا میں جو اس وقت مسلمان ہیں یہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھ لیتے تو یہ کہنے پر مجبور ہوتے کہ یا اللہ! یہ سب دیوانے ہیں، صحابہؓ کو دیوانہ سمجھتے، کیا مطلب کہ دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں، دنیا کو جانتے ہی نہیں، ایسا حال تھا صحابہ رضی اللہ عنہم کا۔

تو حق تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی ہدایت کو آسان کرنے اور اس کو بالکل متعین کرنے کے لئے آگے یہ الفاظ نازل فرمائے کہ اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تک کہنا کہ ہمیں دکھا دیجئے راہ سیدھی۔پھر فرمایا کہ یہاں تک بھی مت رُکنا بلکہ یہ بھی ساتھ کہو صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ منعم علیہم کے راستے پر ہمیں چلایئے، وہی راستہ ہمیں دکھایئے جن پر آپ خوش ہو گئے، جن کے عقائد سے، جن کے افکار سے آپ خوش ہیں، جن کے اعمال سے آپ خوش ہیں، جن کے انفاسِ حیات سے آپ خوش ہیں، ایسے منعم علیہم جن کی زندگی کا ہر لمحہ ایسا گزرا کہ ہر لمحہ موجبِ انعامِ حق ہے، موجبِ رضائے الٰہی ہے، اللہ کی نگاہ میں ان کے لئے سو فیصد رضامندی ہے:

﴿يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝﴾

(سورۃ الفجر: آیات ۲۷، ۲۸)

اللہ ان پر راضی وہ اللہ پر راضی، دونوں طرف سے رضامندی ۔

دونوں جانب سے اشارے ہو چکے
ہم تمہارے تم ہمارے ہو چکے

قسم بخدا! صرف ایسے ہی حضرات منعم علیہم ہیں اور انہی کا راستہ صراطِ مستقیم ہے۔معلوم ہوا کہ اکابرِ امت کا جو راستہ ہے وہی راستہ اللہ تک پہنچانے والا ہے، اللہ تک پہنچنے کے لئے اکابرِ امت کا علم اور تحقیقات ہی معتبر ہیں، اتباع کے لئے ان کا طریقۂ حیات ہی متعین ہے۔

اولی الامر میں فقہاء اور علماء بھی شامل ہیں

ایک اور جگہ حق تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں صاف فرمادیا:

﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ﴾

(سورۃ النسآء: آیۃ ۵۹)

کہ ہم تم سے چاہتے ہیں کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور ہمارے اِس رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ اَلرَّسُوْلَ میں الف لام عہدِ خارجی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء تو بہت ہیں، مرسلین تو بہت ہیں لیکن اس وقت آپ سے جو مطالبہ ہے کہ ہمارے اِس رسول یعنی محمد ﷺ کی اتباع کر کے ہمیں دِکھادو، یعنی ان کی اطاعت چاہیئے۔ تو دونوں اطاعت کے لئے الگ الگ لفظ نازل فرمایا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ کہ ہمارے رسول ﷺ کی اطاعت بالکل ہماری ہی اطاعت ہے، ایسا شخص بالکل کامیاب ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ آپ ﷺ کے ارشادات پر جس نے عمل کیا تو اس نے حقِ توحید صحیح ادا کردیا، وہ بالکل رضائے محبوبِ پاک کے راستے پر قائم ہے، بالکل صراطِ مستقیم پر ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اَلرَّسُوْلَ پر ایک عطف فرمایا: وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ اور اس میں مِنْكُمْ لگا کر بتادیا کہ پوری امتِ مسلمہ میں سے جو اولوالامر ہیں ان کی بھی اطاعت کرو۔ یہاں واوٗ جمع کے لئے ہے یعنی ہمارے رسول ﷺ کی بھی اطاعت کرو اور رسول کو معطوف علیہ قرار دے کر فرمایا کہ اطاعت میں اولوالامر کو بھی ہمارے رسول کے ساتھ جمع کرو۔

یہ ''اولوالامر'' کون لوگ ہیں؟ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اولوالامر سے مراد فقہائے امت ہیں اور بعض نے دنیاوی حکام کو بھی اس میں شامل کیا ہے کہ حکام اگر شریعت کے موافق حکم کریں تو ان کی اطاعت بھی واجب ہے اور اگر شریعت کے خلاف حکم کریں تو ان کی اطاعت جائز نہیں ہے:

((قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَلْحَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: (وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ) يَعْنِيْ:

اَهْلُ الْفِقْهِ وَالدِّيْنِ، وَ كَذَا قَالَ مُجَاهِدٌ وَّعَطَاءٌ وَّالْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَ اَبُو الْعَالِيَةِ: (وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ) يَعْنِيْ: اَلْعُلَمَآءُ، وَالظَّاهِرُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ اَنَّ الْاٰيَةَ فِيْ جَمِيْعِ اُولِي الْاَمْرِ مِنَ الْاُمَرَآءِ وَالْعُلَمَآءِ))

(تفسیر ابن کثیر: (رشیدیہ)؛سورۃ النسآء؛جلد ۲ ص ۳۱۲)

تو حاصل یہ ہے کہ اللہ کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت مطلوب ہے لیکن کیا ہم اپنے فہم کے مطابق شریعت کی اتباع کریں گے؟ نہیں! بلکہ فقہائے امت کی نگاہ میں شریعت کی جو تحقیق ہے اس کی اتباع ہمارے ذمہ لازم ہے، تب ہی یہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہوگی، لہٰذا شریعت کے جو احکام ہیں وہ فقہائے امت سے معلوم کرنے ہیں۔

رحمٰن کے حقوق کو کسی باخبر سے پوچھو

قرآنِ پاک میں حق تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا۝﴾

(سورۃ الفرقان: آیۃ ۵۹)

رحمٰن کے حقوق کو کسی باخبر سے پوچھو، حق تعالیٰ کی مرضیات کو کسی باخبر سے پوچھو۔ ہر ایک سے پوچھنے کو نہیں بتلایا، نہ یہ فرمایا کہ جس طرح چاہو عمل کرو کہ بس قرآن آ گیا، اس میں تمام باتیں صاف صاف بتلادی ہیں، اب اس پر عمل کرو۔ نہیں! اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو کروڑوں انبیاء پیدا فرما دیتے، ہر محلے، ہر بستی کے لئے مستقل کوئی نبی آ جاتا، ایسا بھی تو ہوسکتا تھا۔ پھر تو ہر قوم دعویٰ کرتی کہ ہمارے پاس کیوں نبی نہیں بھیجا؟ کیا امریکہ، آسٹریلیا والے کہہ سکتے ہیں کہ ایک نبی ہمارے یہاں بھی مبعوث ہوئے تھے؟ یا پاکستان، بنگلہ دیش، انڈیا والے کہہ سکتے ہیں کہ ہماری قوم میں بھی نبی آئے تھے؟ اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کے لئے کتنے انبیاء بھیجے؟ ایک کروڑ بھی نہیں، اچھا پچاس لاکھ ہی بھیج دیتے، ایسا بھی نہیں۔ تو حق تعالیٰ جل شانہ نے یہ طریقہ مقرر فرمایا کہ جو ہمارے منتخب لوگ ہیں، انہی کی اطاعت کے ذریعہ سے ہماری اطاعت حاصل ہوگی، انہی کی بات ماننے سے، انہی کی ہدایت پر چلنے سے ہم راضی ہوں گے۔ لہٰذا یہ دیکھو کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے

دین کی کیا شرح نکلتی ہے؟ دین کا کیا طریقہ، وصول الی اللہ اور رضائے الٰہی کا کیا طریقہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتاتے ہیں؟ بس وہی اختیار کرو، اس سے باہر قدم نہ رکھو۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے باہر یا اس کے مخالف تم قدم رکھو گے، خواہ لاکھ ہماری ہی رضا کی نیت ہو، وہ غیر معتبر ہے، بالکل ضلالت اور جہنم کا راستہ ہے۔

علماء صرف وہ ہیں جن کے دل میں خشیتِ الٰہیہ بھی ہو

قرآنِ پاک کی ایک آیت تو آپ نے سن لی، اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا،

اب سنئے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرماتے ہیں:

((اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)؛ کتاب العلم؛ ص ۳۴)

علمائے دین انبیاء کے وارث ہیں یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کی جو امانتِ علمی ہے وہ علمائے امت کے پاس موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گی، وہ امانت علمائے دین سے حاصل کرو۔

اچھا پھر علمائے دین کو بھی آزاد نہیں چھوڑا کہ وہ جو چاہے کریں:

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط﴾

(سورۃ الفاطر: آیۃ ۲۸)

فرمایا کہ علماء صرف وہ ہیں جن کے اندر خشیتِ الٰہیہ ہو، ہر کام میں، ہر معاملہ میں، جملہ امور میں خشیتِ الٰہیہ جن سے ثابت ہو، جن کے دل میں اللہ کی عظمت ہو، ہر قدم اللہ کی مرضیات کے موافق جیتے ہوں، تب وہ عالمِ دین ہیں۔ اگر علم تو سمندر برابر ہے لیکن خشیتِ الٰہیہ کا وجود نہیں ہے، یا کبھی ہے کبھی نہیں ہے تو اس آیتِ پاک کی روشنی میں وہ عالمِ دین نہیں ہیں کیونکہ ان کے اندر خشیتِ الٰہیہ کا فقدان ہے۔

دین کی تمام محنتوں سے مقصود رضائے الٰہی ہے

اسی لئے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور تمام ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم، تمام علمائے امت کا اس پر اجماع ہے یعنی اجماعِ مطلق ہے کہ جس کے اندر علم تو بہت ہو لیکن

اتباعِ شریعت کے خلاف اس کی زندگی ہے تو شریعت کے نزدیک وہ عالم ہی نہیں ہے۔ صرف عربی زبان سیکھنے سے دین نہیں آتا، دین الگ چیز ہے۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ اے علمائے دین! عربیت میں تم جتنے بھی ماہر ہوجاؤ لیکن یاد رکھو! ابولہب اور ابوجہل کی طرح فصیح و بلیغ نہیں بن سکتے، وہ قریشی تھے اور پورے عرب میں قریش سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہوتے تھے لیکن ایسی فصاحت و بلاغت کے بعد بھی وہ جہنم میں ہیں اور ہمیشہ کے لئے مخلد فی النار ہیں۔ لہٰذا اصل مقصود زبان نہیں ہے، اصل مقصود عربیت نہیں ہے بلکہ اصل مقصود ایمان ہے، اصل مقصود دین ہے، اصل مقصود رضائے الٰہی ہے۔

رضائے الٰہی پر قطب العالم حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی استقامت

دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ میں سب علمائے دین تھے اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ صدرِ شوریٰ تھے۔ دیوبند محلہ کے کچھ لوگوں نے تحریک چلائی کہ دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ میں ہمارے محلہ سے ایک غیر عالم کو ممبر شامل کرلیا جائے، ورنہ ہم دارالعلوم کو یہاں سے ختم کردیں گے۔ ان لوگوں نے اتنی زبردست تحریک چلائی کہ علماء سب پریشان تھے، حتیٰ کہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ بھی اتنے پریشان ہوئے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو درخواست لکھی کہ حضرت! دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ میں سب آپ کے عشاق ہیں، آپ کے غلام، آپ کے فرمانبردار ہیں، اگر ایک شخص غیر عالم ممبر کی حیثیت سے آبھی جاتا ہے تو وہ لب بھی نہیں ہلا سکے گا، خاموش بیٹھا رہے گا لیکن اس کو ممبر بنالینے کی وجہ سے یہ فتنہ ختم ہوجائے گا اور دارالعلوم کی حفاظت ہوجائے گی، بے شمار علماء ربانین، محدثین، مفسرین، عارفین کاملین یہاں سے تاقیامت پیدا ہوتے رہیں گے۔ اس لئے میرا تو خیال ہے کہ اگر ایک آدمی کا معاملہ گوارا کرلیا جائے تو بڑا نفع عظیم مرتب ہوگا ان شاء اللہ! اور اگر اس کو گوارا نہ کیا گیا تو دارالعلوم کو بڑا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

بات سمجھ میں آتی ہے میرے دوستو! اگر مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان پر، علم و عرفان پر، فہمِ دین پر، دردِ دل پر، اخلاص پر اعتماد ہے تو غور سے حضرت کا جواب سنو۔

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے جواب دیا کہ مولانا! مقصود دار العلوم نہیں ہے، مقصود اللہ کی رضا ہے، اور رضائے الٰہی صرف اتباعِ شریعت میں ہے۔ ایک نااہل کو ممبر شوریٰ ہم کیسے بنا سکتے ہیں؟ جب اس کے اندر اہلیت ہی نہیں ہے تو یہ ہمارے لئے کیسے جائز ہے؟ ہم ایسے مصالح پیس دیں گے، مصالح پر نظر نہیں، نظر اتباعِ شریعت پر رہنا ضروری ہے۔ ہم دینِ محمدی کو جانتے ہیں، شریعتِ محمدیہ کو جانتے ہیں، مصالح کو نہیں جانتے۔

قیامت تک اولیائے کاملین کے باقی رہنے کی بشارت

باقی رہی دار العلوم کی حفاظت، تو دار العلوم کی حفاظت ہمارے آپ کے ذمہ نہیں ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○﴾

(سورۃ الحجر: آیۃ ۹)

حق تعالیٰ نے خود ہی اعلان فرما دیا کہ اس قرآن کو ہم نے نازل کیا، اس دین کو ہم نے نازل کیا، قیامت تک اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے، رشید احمد کے ذمہ نہیں ہے، اشرف علی کے ذمہ نہیں ہے، ہم میں سے کسی کے ذمہ نہیں ہے، اس دین کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے، اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ یہ دینِ کامل ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی قیامت تک حفاظت خود ہی فرمائیں گے، حدیث شریف میں فرما دیا گیا:

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ ظَاهِرِیْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا یَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ۔ (وفی روایۃ الترمذی و ابن ماجۃ) مَنْصُوْرِیْنَ))

(الصحیح لمسلم: (قدیمی)، کتاب الامارۃ، ج ۲ ص ۱۴۳)

قیامت تک اللہ جل شانہ کی طرف سے ایسے بندے دنیا میں ہوں گے جو کامل دین پر قائم رہیں گے، ان کو دین پر پوری استقامت ہوگی اور انہی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت فرمائیں گے اور اس اتباعِ شریعت کی برکت سے آسمان سے نصرت آتی رہے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا اطمینان دلا دیا کہ تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میں تو نہیں رہوں گا لیکن تمہارے لئے ہر زمانے میں ہمیشہ ایسے مقتدا حضرات ہوں گے، خواہ وہ چھوٹی سی جماعت ہو، جن کے ساتھ کامل دین ہوگا، وہ حق پر رہیں گے اور منجانب اللہ

ان پر نصرت نازل ہوتی رہے گی، ان کی دستگیری خود حق تعالیٰ فرماتے رہیں گے، جب انہیں حق تعالیٰ کی دستگیری حاصل ہوگی تو وہ ہرگز گمراہی کی راہ پر پڑ کر ہلاک نہیں ہو سکتے۔

بادشاہ عالمگیر حوض کے کنارے نہانے کے لئے منتظر تھے تو ایک ہندو راجہ کا لڑکا اپنی عرضی لے کر حاضر ہوا، عالمگیر نے اس کا امتحان لینے کے لئے اس کے دونوں بازو پکڑ کر ڈرایا کہ تجھے تالاب میں ڈبو دوں؟ تو وہ زور سے ہنسا، شاہ ناراض ہوئے کہ جب میں نے ڈرایا تو اسے ڈرنا چاہئے تھا، اس نے آدابِ شاہی کے خلاف یہ کام کیا کہ اس طرح سے ہنستا رہا، یہ اچھی بات نہیں ہے۔ تو اس لڑکے نے کہا کہ حضور! میری بات تو سنیں کہ میں کس لئے ہنسا؟ بادشاہ نے پوچھا کہو کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ میرا تو عقیدہ ہے کہ اگر آپ میری ایک انگلی بھی پکڑے ہوئے ہوں تو میں ہرگز ڈوب نہیں سکتا ہوں تو جبکہ میرے دونوں بازو آپ پکڑے ہوئے ہیں تو میں کیسے ڈوب سکتا ہوں، اس پر عالمگیر بہت خوش ہوئے۔ ارے میاں! بادشاہ عالمگیر پر ایک ہندو بچہ ایسا اعتماد رکھتا ہے کہ اگر بادشاہ ہاتھ پکڑے ہوئے ہوں تو ہرگز ڈوب نہیں سکتا، تو پیغمبر ﷺ جب فرماتے ہیں کہ قیامت تک ایک جماعت رہے گی جس کی حق تعالیٰ شانہ خود دستگیری فرماتے رہیں گے، پھر یہ حضرات کیسے ڈوب سکتے ہیں؟ کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں؟ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، ہمارا کام ہے حق پر قائم رہنا، اور حق پر جینا حق پر مرنا، سرِ مُو اس سے نہ ہٹنا، ان شاء اللہ۔

شریعت کی پابندی پر نصرتِ الٰہیہ کا وعدہ ہے

آگے اور بھی تسلی فرما دی کہ لَا یَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ خذلان کے کیا معنی ہیں؟ جو بھی ان کا ساتھ چھوڑ دے کہ ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کریں گے، اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا خواہ پوری دنیا ان کی نصرت اور ساتھ چھوڑ دے، ایک سرِ مُو ان کو ضرر نہیں پہنچا سکتے، حق تعالیٰ ان کے لئے کافی ہیں۔ حق تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا:

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾

(سورۃ آل عمرٰن: آیۃ ۱۳۹)

یعنی حق تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، بالکل فکر نہ کرو، صرف یہ ہے کہ ہمارا بن کر دِکھادو، پھر ہم نصرت کر کے دِکھادیں گے، سارے عالم میں جہاں بھی تم ہوگے بس تم ہی تم ہوگے، اگر تم پابندِ شریعت ہوتو پھر دیکھ لینا کہ ہم کس طرح تمہاری نصرت کرتے ہیں، پوری دنیا میں کیسی تمہیں سربلندی عطا فرماتے ہیں۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ؎

رستمِ خفتہ ہے تُو کَس بَل نہیں ہے کم ترا
جاگنے کی دیر ہے پھر ہے وہی دَم خم ترا

تم چھپے رستم ہو، تمہارے اندر ایمانی قوت ہے، طاقت ہے لیکن تم غافل ہو چکے ہو، دین سے ہٹ چکے ہو، اس لئے پھر دین کے ساتھ جاگ اُٹھو، اپنی غفلت کی نیند سے بیدار ہوجاؤ۔ تم سمجھتے ہو کہ تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تمہارے ساتھ ہوں لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اے صدیق! گھبرانے کی کوئی بات نہیں، کسی کنبے کسی پارٹی کسی فوج کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اللہ ہمارے ساتھ ہے تو سب کچھ ہے، اللہ ہمارے ساتھ ہے تو ہم کامیاب ہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے تو ہماری ایسی حفاظت ہے کہ لاکھوں کروڑوں فوج سے بڑھ کر بڑی طاقت اور حفاظت کا انتظام ہمارے ساتھ ہے ؎

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

مالک تعالیٰ کی نگاہِ کرم اور حفاظت جب ساتھ ہوتو پھر دشمن کیا کرسکتا ہے، خواہ دشمن کا کنبہ کتنا ہی بڑا ہو، اس کی پارٹی کتنی ہی بڑی ہو۔

صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم کی نظر میں خشیتِ الٰہیہ کا مقام

اصل بات تو یہ ہے کہ شریعت سے ہم لوگ ہٹ گئے ہیں، یہ تاویل وہ تاویل، یہ مصالح وہ حکمت۔ ایسے ایسے مصالح ہم لوگ سوچتے ہیں، ایسی ایسی حکمت سوچتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں، قرآنِ پاک کے خلاف ہیں، حدیثِ پاک کے خلاف ہیں، اکابرِ امت کی تحقیقات کے خلاف ہیں۔ یہ حکمت نہیں ہے، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں،

اتباعِ شریعت کے آگے ہم کچھ نہیں جانتے۔ اب دیکھو کہ ایک آدمی بظاہر محدث، فقیہ، مفتی، مفسر ہے، ادیب، فصیح و بلیغ بھی ہے، سب کچھ ہے اور تمام امت کے اندر بہت ممتاز ہے لیکن عمل شریعتِ پاک کے خلاف ہے، نماز بھی ٹھیک سے نہیں پڑھتا، روزہ بھی نہیں رکھتا، یا نماز تو پڑھتا ہے اور سب اعمال شریعت کے موافق ہیں لیکن غیبت کا عادی ہے، شب و روز مستقل غیبت میں مبتلا رہتا ہے، یا بدنگاہی کی عادت بہت پختہ ہے، یا گھر میں پردہ شرعی نہیں ہے تو قسم بخدا! وہ عالمِ دین نہیں ہے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں، وہ عالمِ دین نہیں ہے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں، وہ عالمِ دین نہیں ہے حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کی نگاہ میں، وہ عالمِ دین نہیں ہے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں، یعنی وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی نگاہ میں عالمِ دین نہیں ہے، خشیتِ الٰہیہ کا ایسا معاملہ ہے۔

مقبولانِ امت کی تشریحاتِ دین کی مخالفت صراطِ مستقیم نہیں ہے

اس سے بڑھ کر ایک بات عرض کرتا ہوں کہ خشیتِ الٰہیہ بھی ہے، ہر کام شریعت کے موافق بھی ہے لیکن دین کی شرح، قرآن وحدیث کی شرح و تفسیر اپنی سمجھ کے مطابق کرتا ہے لیکن وہ سمجھ اور وہ فہم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر کے فہمِ دین سے ٹکراتی ہے یا تابعین و تبع تابعین کے فہمِ دین سے ٹکراتی ہے، بالکل اس کے مخالف اور معارض ہے، یعنی پوری امت کے نزدیک وہ سب طبقات جو شرحِ دین کے لئے مقبول و معتمد ہیں، ایسے مقبول طبقات کی تشریحِ دین کے خلاف اس کی شرحِ دین ہے تو ایسا شخص صراطِ مستقیم سے بالکل ہٹا ہوا ہے، خواہ اس کا علم ہزاروں سمندر کے برابر کیوں نہ ہو، اس کا اتباع صحیح نہیں، اس کو مقتدا بنانا صحیح نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ زریں

یہ بات ہمارے اکابر کی خصوصیات میں سے تھی کہ خواہ وہ کتنے بھی بڑے عالم ہوں لیکن اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے، اب دیکھو! امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، برصغیر کے تمام علمائے دین جن کے عاشق ہیں، جن کے علم کے سامنے سو فیصد جھکتے ہیں اور

اس کو باعثِ فخر سمجھتے ہیں، وہی امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں: اَنَا حُرٌّ مِّنَ الْحَنَفِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ وَلٰكِنْ حَنَفِيٌّ عَمَلًا اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن وحدیث کے علوم سے اس قدر نوازا ہے کہ مجھ پر نہ حنفی بننا واجب ہے اور نہ شافعی بننا واجب ہے لیکن باوجود اس کے میں عملاً حنفی ہوں، وہی عمل کرتا ہوں اور اسی پر عمل کی سب کو دعوت دیتا ہوں جو حنفیہ کے ہاں معتبر ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جو معتبر ہے، ان کا جو طریق ہے، جو تشریحِ دین ہے، اسی کے سامنے میں سر جھکاتا ہوں۔ اتنے بڑے عالمِ دین ہو کر اس طرح فرمانا ہمارے لئے کس قدر سبق آموز بات ہے۔ یہی حال ہمارے ائمۂ ثلاثہ کا تھا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ، اپنی اپنی جگہ پر کتنے بڑے محدث تھے، کتنے بڑے فقیہ تھے، لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے سامنے بالکل تسلیمِ سر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حدیث کا مطلب پوچھا، حدیثِ قلتین کی شرح پوچھی تھی، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس کی شرح بتائی تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے محدث ہو کر بھی اس قدر متاثر ہوئے کہ رونے لگے اور عرض کیا دَعْنِيْ اُقَبِّلْ رِجْلَيْكَ (اجازت دیجئے کہ میں آپ کے قدموں کو چوم لوں)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قبولیت کے دعویٰ سے بچنے کا اہتمام

اب بعض لوگ اس طرح سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ساٹھ سال سے بخاری شریف پڑھا رہے ہیں تو کیا ہم کچھ دین نہیں سمجھتے؟ تو دوستو یہ بتاؤ! کیا ساٹھ سال سے بخاری شریف پڑھانا یہ فہمِ دین کی کوئی دلیل ہے؟ یہ کوئی حجت ہے آپ جس کو پیش کر رہے ہیں؟ آپ کا یہ دعویٰ کرنا خود دلیل ہے کہ آپ کے اندر کج روی موجود ہے، آپ کے فہم کے اندر قصور موجود ہے۔ کیوں آپ سبق میں یہ نہیں بتاتے کہ یہ شرح جو میں نے پیش کی، یہ میری طرف سے نہیں ہے، ہمارے اکابر امت کی طرف سے ہے، اَلْاِسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ اپنے اکابر کی سند سے بات پیش کریں تو پھر وہ دین معتبر ہے، اپنی طرف سے بولنا تو یہ دعویٰ ہے۔ دیکھئے! امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس حدیثِ پاک کا

ذکر کیا، مشہور حدیث ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیٍٔ مَّا نَوٰی))

تو اس حدیثِ پاک کے اس جز کو افتتاح میں چھوڑ دیا:

((فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ))

کہ جس نے ہجرت کی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لئے ہے اور حدیثِ پاک کا جو دوسرا جز ہے، صرف اس کو ذکر فرمایا:

((فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُهَا اَوْ اِلٰی اِمْرَأَةٍ یَّنْکِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)، باب کیف کان بدؤ الوحی؛ ج ۱ ص ۲)

جس نے دنیا کے مقصد سے ہجرت کی یا کسی عورت کے مقصد سے ہجرت کی، بس اسی مقصد سے اس کی ہجرت ہے۔ تو یہ جو حدیثِ پاک کا دوسرا جز ہے اس کو تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے افتتاح کے موقع پر ذکر کیا اور اللہ کی رضا کے مقصد سے ہجرت کے پہلے جز کو انہوں نے چھوڑ دیا، ذکر ہی نہیں کیا، کیا وجہ ہے؟ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح کی کہ جب کتاب لکھتے ہیں تو شروع میں مقدمہ کے اندر جو باتیں ہوتی ہیں وہ دعویٰ کے درجہ میں ہوتی ہیں کہ اس میں اتنے ابواب ہوں گے اور اتنے مضامین ہوں گے اور اس کو اتنے اقسام پر ہم تقسیم کریں گے، یہ سب تو دعویٰ ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کے مقدمہ کے موقع پر جس حدیث کا ذکر کیا تو اگر وہ حدیث کے اس جز کو ذکر کرتے کہ جس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لئے ہو، تو اس جز کے ذکر کرنے کا یہ مطلب ہوتا کہ ہم جو یہ کتاب لکھ رہے ہیں یہ اللہ اور رسول ہی کی رضا کے لئے کر رہے ہیں تو یہ دعویٰ ہوتا یا صورتِ دعویٰ ہی ہو جاتا کہ میں ایسا کروں گا، اس سے بچنے کے لئے امام صاحب نے اس جز ہی کو چھوڑ دیا۔ پھر اس حدیثِ پاک کو پوری کتاب میں کئی جگہوں پر تفصیل سے ذکر کیا لیکن شروع کتاب کے مقدمہ میں اس جز کو چھوڑ دیا کہ بھئی یہ دعویٰ ہو جائے گا۔ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح کا جو بھی مقام ہو، وہ الگ بات ہے لیکن انہوں نے یہ شرح

اس بناء پر کی کہ ہمارے اکابر اور اسلاف کا یہ شیوہ رہا ہے کہ دعویٰ سے ہمیشہ بچتے تھے، تو پھر یہ دعویٰ کرنا کہ ہم پچاس ساٹھ سال سے بخاری شریف پڑھا رہے ہیں، اب بھی کیا ہماری بات کا اعتبار نہیں تو کس کا اعتبار ہے؟ یہ دعویٰ خود دلیل ہے کہ یہ غیر معتبر شخص ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے بڑوں کے سامنے خاکساری

ہمارے اکابر کی تو یہ شان تھی کہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ باوجود اس کے کہ جامع شریعت و جامع طریقت تھے، تمام علوم و معارف سے اللہ تعالیٰ نے ان کو خوب نوازا تھا، وہ مفسرِ قرآن تھے، محدثِ عظیم تھے، فقیہِ اعظم تھے، عارفِ کامل تھے، اور وہ اپنے دور کے رومی بھی تھے، بایزید بسطامی بھی تھے، سب کچھ تھے، اپنے وقت کے اکابرِ امت سے انہوں نے دین سیکھا، علم اور دین کی سمجھ حاصل کی، اس کے باوجود وہ فرماتے ہیں کہ میں خود صاحبِ فتویٰ ہوں لیکن جب میرا اپنا کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو میں اپنی تحقیق پر اعتماد نہیں کرتا بلکہ محقق مفتی حضرات اور بڑوں سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتا ہوں۔ ان بڑوں میں کون تھے؟ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جن کو سب سے بڑا مانتے تھے وہ امامِ ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ہر تحقیق کے سامنے سر جھکاتے تھے، ہمیشہ یہی حضرت کا معمول تھا، ان کے سامنے زندگی بھر اپنے آپ کو بالکل چھوٹا سا بچہ سمجھتے تھے اور صرف بچہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ کانپتے رہتے تھے، ڈرتے رہتے تھے اور مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہ بھی کبھی کبھی ڈانٹ پلاتے تھے تو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مست ہو جاتے تھے اور اس طرح فنا ہو جاتے تھے کہ گویا اس دنیا میں نہیں ہیں۔ ایک مرتبہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ پوچھا، حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ اس وقت آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے، بینائی جاتی رہی تھی، گرجتے ہوئے فرمایا کہ پوچھنے والا کون؟ مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا اشرف علی! فرمایا کہ اچھا آپ، اور پوچھتے ہیں! اس پر حضرت کانپنے لگے کہ بھئی کیوں پوچھا؟ فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن حضرت کی برکت سے پورا مسئلہ حل ہو گیا، الحمد للہ۔

واقعۂ منصور حلاج اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے علمی مقام کا ایک نمونہ عرض کردوں کہ حکیم الامت مجدد الملت جیسے عالم کیوں ان کے علم اور بزرگی کے سامنے بچھے جاتے تھے۔ منصور حلاج کے قتل پر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ نکیر کرسکے، پہلے تو یہ کہ یہ منصور حلاج نہیں بلکہ ابن المنصور حلاج ہیں، نام ان کا حسین تھا۔ منصور حلاج کے قتل پر مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر میں اس زمانے میں موجود ہوتا تو ان کے قتل کا فتویٰ رکوا دیتا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ بعض اہل اللہ من جانب اللہ مجبور ہوجاتے ہیں، وہ اضطراری حالت ہوتی ہے، ایسی حالت میں ان کی زبان سے کوئی بات نکل جاتی ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ کہہ رہے ہیں، لیکن وہ خود کہتے نہیں ہیں کہلوائے جاتے ہیں۔ یہی منصور حلاج کا معاملہ ہوا تھا، وہ کہتے تھے ''انا الحق''، علماء نے فتویٰ دیا کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے، آپ کیوں بولتے ہیں؟ انہوں نے کہا ؎

من نمی گویم انا الحق یار می گوید بگو
چوں نمی گویم مرا دلدار می گوید بگو

میں تو شریعت کی پابندی کی وجہ سے کہنا نہیں چاہتا، لیکن جب میں خاموش ہوجاتا ہوں تو ''وہ'' اندر سے مجھے شدت سے دباؤ ڈالتے ہیں کہ کیوں نہیں کہتا، بول، زبان سے کہہ انا الحق، تب میں کہتا ہوں انا الحق۔ لوگ تلوار دکھا رہے تھے کہ قتل کردیں گے اور وہ ہنس رہے تھے کہ ماردو گے تو کیا ہوگا؟ وہ محبوبِ پاک چاہتے ہیں کہ یہ الفاظ بولتے چلے جاؤ، تو جو اُن کی مرضی ہے وہ میری بھی مرضی ہے ؎

جو اُن کی خوشی ہے وہ میری بھی خوشی ہے
جا دل تجھے چھوڑا کہ جدھر وہ ہیں ادھر ہم

ہمارے حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ وہ واجب القتل نہیں تھے، اور دلیل یہ دی:

﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ

الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰى اِنِّيْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ○﴾
(سورۃ القصص: آیۃ ۳۰)
کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جبلِ طور کے یہاں آگ کے پاس پہنچے تو اس مبارک زمین کے ایک درخت کے اندر سے آواز آئی، (بظاہر درخت ہی یہ کہہ رہا تھا) **اِنِّيْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ** (سورۂ قصص: آیت ۳۰)، میں ہی ہوں اللہ رب العالمین یعنی میرے سوا کوئی معبود نہیں، تم میری ہی عبادت کرو۔ تو راوی حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ قطب العالم حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کیا یہ درخت کوئی معبود تھا جس میں سے یہ آواز آئی کہ میں معبود ہوں، میری پرستش کرو؟ جیسے وہاں حال تھا یہی حال منصور حلاج کا تھا۔ درخت کہہ نہیں رہا تھا درخت کے ذریعہ سے کہلوایا جا رہا تھا، اصل کہنے والا اللہ تھا۔ اسی طرح منصور کہہ نہیں رہا تھا منصور سے کہلوایا جا رہا تھا، اور قرائن دیکھ کر اس پر فیصلہ کرنا آسان تھا کہ وہ اللہ کو مانتے ہیں، آسمان کس نے پیدا کیا منصور کہتے ہیں اللہ نے پیدا کیا، زمین کس نے پیدا کی منصور کہتے ہیں اللہ نے پیدا کی، پہاڑ کس نے پیدا کئے منصور کہتے ہیں اللہ نے پیدا کئے، دریا اور سمندر کس نے پیدا کئے منصور کہتے ہیں اللہ نے پیدا کئے، تیرے باپ کو کس نے پیدا کیا، منصور کہتے ہیں اللہ نے پیدا کیا، تجھ کو کس نے پیدا کیا تو کہتے ہیں مجھے اللہ نے پیدا کیا، تجھے یہ جسم کس نے دیا، منصور کہتے ہیں اللہ نے مجھے جسم عطا فرمایا، اور تیرے اندر روح کس نے پھونکی، منصور کہتے ہیں میرے اندر اللہ نے روح پھونکی ہے، اور تُو بندہ کس کا ہے منصور کہتے ہیں بندہ میں اللہ کا ہوں، تُو کس کا رزق کھاتا ہے کہتے ہیں اپنے اللہ کا رزق کھاتا ہوں۔ تو ہر بات میں جب وہ اللہ کو مانتے ہیں، موحدِ کامل ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں، تو پھر وہ کافر کیسے ہو سکتے ہیں؟ ان کے قتل کا فتویٰ دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ سمجھنا ضروری تھا کہ یہ اضطراری، مجبوری کی حالت تھی۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے اس پر اس وقت نماز کہاں فرض رہتی ہے؟ ایک مہینہ تک کوئی بے ہوش ہے تو اس پر نماز کہاں فرض ہے؟ جب ہوش میں آجائے اس وقت نماز پڑھواؤ۔ تو منصور بھی عشقِ الٰہی کی شدت میں اس وقت بے ہوش تھے، عالمِ بے ہوشی میں

ان سے انا الحق کا نکلنا جرم نہیں تھا، لہٰذا ان پر قتل کا فتویٰ جاری کرنے کی کوئی بھی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے ہمت کر کے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمادیا کہ اگر میں وہاں موجود ہوتا تو فتویٰ رکوادیتا۔ یہ حضرت کا مقام تھا اس طرح فرما گئے ورنہ ہم لوگ کہاں سے نقل کرتے۔

عظمتِ علمی کے باوجود حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع

یہی مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہ جن کے علم کا یہ مقام تھا کہ ان کے سامنے ہمارے بڑے بڑے اکابر مٹتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! میرے اندر تو علمِ دین کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ علم کی نفی پر حضرت قسم کھا رہے ہیں۔ بتایئے! یہ حضرات اپنے آپ کو علم سے خالی سمجھتے تھے کہ میرے پاس علم ہے ہی نہیں، اس قدر مقامِ فنا ان کو حاصل تھا، اب کیا ہے دو چار الفاظ یاد ہو جاتے ہیں ہم لوگ مجددِ زمانہ بن جاتے ہیں، غوثِ اعظم بن جاتے ہیں۔ بہت افسوس ہے، اس میں عجب اور کبر چھپا ہوا ہوتا ہے، ہم لوگ لاعلمی میں عجب اور کبر میں مبتلا ہو کر ابلیس کے حصہ دار بن جاتے ہیں، اس سے اپنے آپ کو پاک کرنا بالکل ضروری ہے۔ اکابر کے علم کے سامنے اپنے علم کو علم سمجھنا یہ حماقت اور جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ یہ انتہائی خطرناک بات ہے کہ اپنے اکابر کی تحقیقات کو چھوڑ کر خود اکابر بن جانا۔ کسی کو اللہ اکابر میں سے بنادے اور قبول فرمائے تو بہت نعمت ہے، بڑی بات ہے لیکن خود سے اکابر بن جانا بالکل ابلیس کا دھوکا ہے۔

علمے کہ ترا رہ بحق ننماید جہالت است

وہ علم جو تجھے اللہ تک نہ پہنچائے، خدا کا راستہ نہ دکھائے، وہ علم، علم ہی نہیں ہے، وہ جہالت ہے، تمام اکابرِ دین کا اس پر فتویٰ ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو تو ہمارے سارے ہی اکابر مانتے ہیں، وہی مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

اَیُّهَا الْقَوْمُ الَّذِیْ فِی الْمَدْرَسَة
کُلُّمَا حَصَّلْتُمُوْهُ وَسْوَسَة

فرمایا کہ اے مدرسے والو! جو کچھ تم سیکھتے ہو وہ حقائق نہیں ہیں، صرف وساوس ہیں،

کیوں؟ فرمایا کہ ؎

علم نبود الّا علمِ عاشقی　　　ما بقی تلبیسِ ابلیس شقی

تمہارا یہ علم، علم نہیں ہے جب تک کہ اس علم کے ساتھ تم اللہ کے دیوانے نہ بن جاؤ، طالبِ حق نہ بن جاؤ، اللہ کی رضا اور خوشی کے لئے جان نہ فدا کردو، دن رات تمہاری زندگی طالبِ رضائے محبوبِ حقیقی والی نہ ہو۔ لہٰذا ہمارے یہ مدارس اس وقت کام کے بنیں گے جب ان مدارس کے اندر تعلیم بھی دین کی ہوگی اور ساتھ ہی تقویٰ کی تربیت بھی ہوگی، تربیتِ خشیتِ الٰہیہ بھی ہوگی، تربیتِ اتباعِ شریعت اور تربیتِ اتباعِ سنت بھی ہوگی، تربیتِ اتباعِ اکابر بھی ہوگی ورنہ یہی مدارس مستقل مصیبت بن جائیں گے، یہی مدارس مستقل فتنہ بن کر ہماری ہلاکت کا سبب بن جائیں گے۔ اسی کو حکیم الامتؒ نے مختصر الفاظ میں فرمادیا کہ نام ہو مدرسہ کا اور کام ہو خانقاہ کا۔ خانقاہ میں کیا ہوتا ہے؟ جس کے اندر بہیمیت ہے، جانورپن ہے، اس سے بہیمیت اور جانورپن نکال کر اسے انسان بنایا جاتا ہے، اس کو خانقاہ کہتے ہیں۔ اسی کو مولانا شمس الحق فرید پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اپنے دور کے بڑے بڑے اکابرِ دین محدثین سے میں دار العلوم دیوبند میں پڑھتا تھا، پھر بھی حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے پاس میں جایا کرتا تھا، کیوں؟ اپنے اندر سے بہیمیت نکال کر انسان بننے کے لئے، میرے اندر جو جانور ہے اس جانور کو نکال کر اپنے آپ کو انسان بنانے کے لئے میں تھانہ بھون جاتا تھا۔ انسانیت الگ چیز ہے، انسان بننا چاہئے۔ میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسان بنایا ہے، جانور تو نہیں بنایا ہے، اس لئے انسان کے طریقے سے جینا چاہئے، جانور کے طریقے سے نہیں۔ حکیم الامتؒ خود بھی فرماتے تھے اگر کسی کو شیخ بننا ہو، پیر بننا ہو، غوث بننا ہو اور دربار سجانا ہو تو اور کہیں جائے، ہاں اگر انسان بننا ہو تو آؤ! ہم انسان بنانے کی خدمت انجام دے رہے ہیں کہ کس طرح انسان بنیں۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ اور ملفوظات کی اہمیت

اسی لئے میں نصیحت کرتا ہوں کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ و

ملفوظات کا مطالعہ سب کو کرنا چاہئے۔حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ مجدد تھے، بلکہ مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے حضرت جامع المجددین تھے، اللہ تعالیٰ نے تمام مجددین سے جو کام لیا واحد حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے وہ کام لیا، وہ قادرِ مطلق ہیں۔ اسلام کا کوئی فن، کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے کہ جس پر حضرت کی تصنیفات موجود نہ ہوں، تشریحات نہ ہوں، تحقیقات نہ ہوں اور وہ بھی دلائل کے ساتھ، اور دلائل بھی کیسے؟ بالکل وافی شافی کافی۔ایسا عظیم الشان اللہ تعالیٰ نے حضرت سے کام لیا، ایک انسان کے لئے اتنا کام کرنا کیسے ممکن ہے جب تک اللہ تعالیٰ اس سے کام نہ لے۔

برائے سر انجامِ کارِ صواب　　　یکے از ہزاراں شود انتخاب

ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کا یہی نظام رہا کہ اکابرِ دین پیدا فرماتے رہے اور باقی امت کی یہ ذمہ داری رہی کہ وہ ان کی پیروی کرے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ آئے اب تم ان کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ آئے تم ان کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آئے تم ان کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ، امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ آئے تم ان کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ، ان کی اقتداء کرو، بس یہ کافی ہے۔یہ حضرات اللہ کے ہاں ایسے مقبول اور ایسے معتمد ہیں، ایسے رجال اللہ ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے سچے اور کامل نائب ہیں کہ ان کی اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہے، ان کی اطاعت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے ہمارے لئے راستہ آسان فرما دیا کہ تمہیں سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ جو سمجھا دیں اسی کو سمجھ لو اور کہہ دو۔

میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں
محبت دے کے تڑپایا گیا ہوں
سمجھتا خاک اَسرارِ محبت
نہیں سمجھا میں سمجھایا گیا ہوں

میرے دوستو! یہی طریقہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ

أُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ، كَانُوْا اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَّ اَعْمَقَهَا عِلْمًا وَّ اَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ۔۔۔ الخ))

(مشکوۃ المصابیح: (قدیمی)، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ص ۳۲)

کہ لوگوں کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کا اتباع کرنا، ان کو مقتدا بنالینا آخرت میں نجات اور کامیابی کے لئے کافی ہے۔ اس کا سبب بھی بتادیا کہ یہ بات ہم کیوں کہہ رہے ہیں، کَانُوْا اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ کہ یہ اس امت میں سب سے افضل ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہر زمانے میں امت کے اندر یہ حضرات جو افضل ہیں ان کا اتباع مطلوب ہے۔ پوری امت میں یہ حضرات افضل ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری دنیا کے لئے اسوہ ہیں اور آپ کے علوم ومعارف اور حیات کی پوری تصویر ہے حیاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم، تصویرِ حیاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم تصویرِ حیاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ لہٰذا ان کے نقشِ قدم پر چلنا بالکل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ تواضع

تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے علوم ومعارف کا مطالعہ صحیح فہمِ دین کے لئے اکسیر ہے۔ اپنے علوم ومعارف کے بارے میں خود حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وہ کام لیا کہ اب آئندہ سو سال تک اطمینان سے اسی کی روشنی میں تم لوگ چلو، دین کی تشریح کے لئے تمہارے واسطے یہی کافی ہے۔ یہ حضرت حکیم الامتؒ کی زبان سے کہلوایا گیا ہے، یہ دعویٰ نہیں ہے، کوئی آدمی ایسا دعویٰ کیسے کرسکتا ہے؟ جبکہ خود حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تمہاری کیا حقیقت تھی میاں آہ
یہ سب امدادؔ کے لطف و کرم تھے

اور یہ بھی فرمایا کہ ؎

خودی جب تک رہی اس کو نہ پایا
جب اس کو ڈھونڈ پایا خود عدم تھے

ہمارے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کیا عجیب بات فرماتے تھے۔

ہمیں نقشِ قدم اشرف علی ملحوظ رکھنا ہے
جو کچھ فرما گئے ہیں وہ اسے محفوظ رکھنا ہے

اتنا کچھ ہونے کے باوجود مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب کوئی آپ کی تعریف کرتا تھا تو فرماتے تھے کہ فضائل و مدارج تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں، ہم کو تو جنتیوں کی جوتیوں ہی میں جگہ مل جائے یہ ہی بڑی دولت ہے۔

فَاحْثُوْا فِیْ وُجُوْھِھِمُ التُّرَابَ کی تشریح

جو سچے اہل اللہ ہوتے ہیں ان کے سامنے لوگ تعریفیں کرتے ہیں تو وہ لوگ تحمل کرتے ہیں، اہل اللہ ابوالعیون ہوتے ہیں، ایک ہی بات کی مختلف طرز میں تشریح دیکھتے ہیں کہ بھئی ایک آدمی تعریف کر رہا ہے تو یوں سمجھتے ہیں کہ ''من آنم کہ من دانم'' میں اپنے آپ کو جانتا ہوں کہ کون ہوں؟ میں خباثت کا مجموعہ ہوں تو ایسے کی اگر کوئی تعریف کرے تو کیا فائدہ۔ فَاحْثُوْا فِیْ وُجُوْھِھِمُ التُّرَابَ کا یہی مطلب ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا رَاَیْتُمُ الْمَدَّاحِیْنَ فَاحْثُوْا فِیْ وُجُوْھِھِمُ التُّرَابَ۔ رواہ مسلم))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)، باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم، ص ۴۱۲)

کوئی تمہاری تعریف کرے تو تم اس کے منہ میں مٹی ڈال دو، تو کیا آدمی جا کر ہر ایک کے منہ میں مٹی ڈالے؟ یہ مطلب نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تعریف کو مٹی سمجھو، کچھ بھی نہ سمجھو، اپنے آپ کو ہرگز اس قابل نہ سمجھو۔ لہٰذا اگر کوئی کسی کی تعریف کرتا ہے تو کیا غلط کرتا ہے؟ کیا وہ گالیاں بکے، دنیا بھر کی گالیاں دینے لگے؟ بولو بھئی! یہ بھی تو شریعتِ پاک کو منظور نہیں، اس کی دلیل کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ سے دعا مانگا کرو:

((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیۃ)، ج ۲ ص ۸۲، رقم الحدیث ۳۶۷۲)

اے اللہ! مجھے میری نگاہ میں صغیر دِکھا دیجئے کہ میں چھوٹا ہوں اور لوگوں کی نگاہ میں مجھے بڑا دِکھائیے، آپ کے بندوں کی نگاہ میں باعزت بنا دیجئے، عظمت والا بنا دیجئے۔ میں

اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھوں لیکن لوگ مجھے باعزت سمجھیں۔لیکن یہ دعا جو ہے یہ حسن لعینہٖ نہیں ہے حسن لغیرہٖ ہے، کیا مطلب؟ بالذات اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اس مقصد سے یہ دعا نہیں ہے، بلکہ صرف اس مقصد سے کہ اے اللہ! لوگ اگر ہمیں گالیاں دیتے رہیں گے، ہمیں بدنام کرتے رہیں گے تو ہم اس کو تحمل نہیں کرسکیں گے، آپ کی عبادت کے راستے میں مخالفین کے اعتراضات وگالیاں رکاوٹ بن جائیں گی اور اس پریشانی میں ہم آپ کو یاد بھی نہیں کرسکیں گے۔تو اصل مقصد ہے یادِ الٰہی، اصل مقصد ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس دعا میں عبادت کے راستے کے موانع کو ہٹوانا مقصود ہے۔

بالطف زندگی کا حصول اتباعِ شریعت پر موقوف ہے

تو اس بات کو سمجھ لیجیے کہ اہل اللہ کی مختلف جانب پر نگاہیں ہوتی ہیں، ایک طرف اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتے، ہم بیکار ہیں، ہم تو سراپا نجاست ہیں، اگر دنیا والوں کو پتا چل جائے تو لوگ اتنے جوتے ماریں کہ دنیا میں رہنا ہمارے لئے مشکل ہوجائے، وغیرہ۔ اس لئے اگر کوئی ان کی تعریف کرتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ حق تعالیٰ کی ستاری ہے اور وہی ان کی زبان سے تعریف نکلوا رہے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لئے نعمت ہے، رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً میں حسنہ کی بہت سی تفسیریں ہیں، ان میں ایک ثناء الخلق بھی ہے کہ مخلوق اس کی تعریف کرتی ہو۔دوسری آیت میں حق تعالیٰ نے تو فرما بھی دیا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ﴾

(سورۃ النحل: آیۃ ۹۷)

عملِ صالح کرو تو ہم تمہیں حیاتِ طیبہ سے نوازیں گے یعنی تمہیں بالطف زندگی عطا کریں گے۔اب ہر طرف سے اگر لوگ گوبر مار رہے ہوں، نعرے لگا رہے ہوں اے سور کے بچے! تو یہ بالطف زندگی کہاں ہوئی؟ بالطف زندگی کا حصول موقوف ہے عملِ صالح پر اور عملِ صالح کیا ہے؟ اتباعِ شریعت۔اور اتباعِ شریعت کیا ہے؟ فرائض اور واجبات پر عمل پیرا ہونا، تمام معاصی کو چھوڑ دینا، حقوق العباد اور حقوق اللہ جو

لازم ہیں ان کو پورا کرنا، حق اللہ کی بھی رعایت ہو، حق العباد کی بھی رعایت ہو، دونوں کا اہتمام ہو۔ حقوق اللہ تو جب پورے ہوتے کہ قلب بھی اللہ کے لئے پاک وصاف ہوتا، اعضاء وجوارح بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور انقیاد سے مزین ہوتے، پھر حق اللہ پورا ہوتا۔ کیا حقوق العباد میں سے ہے یہ کہ دن ورات غیبت میں، لوگوں کی بدخواہی میں مبتلا ہو، جس کے ساتھ چاہو لڑو بھڑو، یہ کیا زندگی ہے، یہ منحوس زندگی ہے۔ انسانی زندگی تو اس کو نہیں کہتے۔ انسان وہ ہوتا ہے جو مالک تعالیٰ پر ہمہ وقت فدا ہوتا ہے، پھر جا کر انسان انسان ہوتا ہے ورنہ صورتاً انسان ہے اور درحقیقت بالکل جانور ہے ؎

گر ز صورت آدمی انساں بدے

احمد و بوجہل ہم یکساں بدے

اگر شکل وصورت سے انسان انسان ہوتا تو پیغمبر احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوجہل تو دونوں شکل و صورت میں انسان تھے، پھر تو نعوذ باللہ برابر ہوتے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً میں مخلوق کی تعریف بھی شامل ہے

تو لوگوں کی تعریف یعنی ثنائے خلق بھی حسنہ میں شامل ہے، اس لئے اہل اللہ اپنی تعریف پر خاموش رہتے ہیں، یہی استحضار رکھتے ہیں کہ بھئی یہ تعریف کرتے ہیں تو ثنائے خلق ہے۔ ڈھاکہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک بڑے عالم نے زوردار تعریفیں کیں، حضرت کے لئے عربی میں تعریفی کلماتِ شکر اور تہنیت پر کافی لمبا مضمون تھا۔ حضرت چپ چاپ سنتے رہے، میں وہیں بیٹھا ہوا انتظار کررہا تھا کہ جب مضمون ختم ہو تو دیکھوں کہ حضرت کیا فرماتے ہیں؟ جب ان صاحب کا عربی مضمون ختم ہوا تو حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ماشاء اللہ! آپ کی بڑی صلاحیت اور لیاقت کا ثبوت ہوا، بڑی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت نوازا ہے۔ ایک دو جملے میں حضرت نے سب اُڑا دیا، مطلب کہ اپنے کمال پر کچھ بھی نگاہ نہیں ہے، ان کو کہتے ہیں اہل اللہ۔

اللہ والوں کی فنائیت کا عالم

اس لئے جو حضرات اپنی تعریف سن کر خاموش رہتے ہیں ان کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ وہ لوگ اندر سے خوش ہو رہے ہیں یہ بالکل جہالت ہے، ابلیس کا دھوکا ہے، تلبیس ابلیس میں یہ شخص مبتلا ہو گیا ہے۔ ان کے قلب کے اندر توحید ہی توحید ہے، نورِ توحید کے سوا اور کچھ نہیں ہے ؎

ہو فنا ذات میں کہ تُو نہ رہے
تیری ہستی کی رنگ و بُو نہ رہے

اہل اللہ حق تعالیٰ کی ذات میں اس طرح فنا ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے وجود کا علم ہی نہیں ہوتا، وہ اپنے وجود کو دیکھتے ہی نہیں ہیں، کالعدم سمجھتے ہیں۔ حدودِ تشریع میں اپنے کو موجود سمجھتے ہیں کہ ہم پر کچھ ذمہ داریاں ہیں، نماز بھی پڑھنی ہے، سجدہ بھی کرنا ہے اور طہارت بھی لازم ہے، اس کے علاوہ اپنے وجود کو بھی وہ کچھ نہیں سمجھتے، اپنی ذات سے بھی جو تعلق ہوتا ہے وہ صرف اللہ کی خاطر، اللہ کے تعلق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

نازم بہ چشم خود کہ جمال تُو دیدہ است
افتم بہ پائے خود کہ بہ کویت رسیدہ است

اے اللہ! اپنی آنکھوں کو دیکھ کر مجھے مستی پیدا ہو جاتی ہے، یہ آنکھیں بھی مجھے پیاری لگتی ہیں کہ میری آنکھوں نے آپ کا جمال دیکھ لیا ہے، آسمانوں میں آپ کا جمال دیکھ لیا، پھولوں میں آپ کا جمال دیکھ لیا، چاند میں آپ کا جمال دیکھ لیا اور بھی مختلف انداز سے جس طرح اللہ نے جمال دکھایا، کعبے میں گئے تو وہاں اللہ تعالیٰ کا جمال دیکھ لیا۔ تو دیکھو! اپنی آنکھوں سے اس بناء پر محبت ہے کہ ان آنکھوں نے اللہ کے جمال کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور دوسرے مصرع میں فرماتے ہیں ؎

افتم بہ پائے خود کہ بہ کویت رسیدہ است

میرا تو جی چاہتا ہے کہ اپنے پاؤں کو چوم لوں کہ یہ میرا پاؤں آپ کی گلی میں پہنچا تھا، کعبہ

میں گیا تھا، مسجد میں پہنچا تھا، اس لئے یہ وہ پاؤں ہے کہ آپ کی گلی میں جانے کا شرف اس کو حاصل ہے،. جی چاہتا ہے کہ اپنے پاؤں کو چوم لوں، اپنے پاؤں پر فدا ہوجاؤں۔اب دیکھو اپنے پاؤں کو خود اپنی نسبت سے نہیں جانتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی نسبت سے جانتے ہیں۔ یہ حال ہوتا ہے اہل اللہ کی فنائیت کا، فنا فی اللہ ہونے کا اور باقی باللہ ہونے کا۔ اس کو اللہ جل شانہ نے حدیثِ قدسی میں بیان فرمایا کہ بندے کے ساتھ جب میری خاص محبت کا تعلق ہوجاتا ہے، تو سن لو بات! كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِىْ يَسْمَعُ بِهٖ میں اس کا کان بن جاتا ہوں، مجھ ہی سے وہ سنتا ہے۔تو پھر وہ کہاں رہا، وہ تو فنا ہوگیا، حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں میں اس کی شنوائی بن جاتا ہوں، وہ مجھ سے سنتا ہے، وَبَصَرَهُ الَّذِىْ يُبْصِرُ بِهٖ اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، وہ مجھ سے دیکھتا ہے، وَيَدَهُ الَّتِىْ يَبْطِشُ بِهَا اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں کہ مجھ سے وہ پکڑتا ہے۔اب میں مزید کیا کہوں اور کیسے کہوں! بس اہل اللہ کا یہ حال ہوتا ہے ۔

کبھی ہے دل میں جلال تیرا کبھی ہے دل میں جمال تیرا
اب ہے دل اور خیال تیرا کسی کا اس میں گذر نہیں ہے

اور یہ حال ہوجاتا ہے ۔

اے خیالِ دوست اے بیگانہ ساز ماسوا
اس بھری محفل میں تُو نے مجھ کو تنہا کر دیا

وہ اپنے خیال سے بے خیال ہوجاتے ہیں ۔

ہرچہ بینم در جہاں غیر تُو نیست
یا توئی یا خوئے تُو یا بوئے تُو

اے محبوبِ پاک! مجھے تو سوائے آپ کے کچھ بھی نظر نہیں آتا، یا تو آپ ہی کی بُو ہے، سب کچھ آپ ہی کے افعال ہیں، آپ ہی کے نشانات ہیں، سارا عالم آپ کے نشانات ہیں لہٰذا سوائے آپ کے کچھ نہیں نظر آتا، کیا عجیب بات فرما گئے، سبحان اللہ وبحمدہٖ۔

اتباعِ شریعت کے لئے اتباعِ علومِ اکابر ضروری ہے

اس لئے ہم ہر قدم پر اتباعِ شریعت کا پکا ارادہ کریں اور اتباعِ شریعت کے لئے اتباعِ تحقیقاتِ اکابر، اتباعِ علومِ اکابر ضروری ہے۔ میرے دوستو! اس بات پر اگر ہم پکے نہیں بنے تو پھر دین محفوظ نہیں رہے گا، ہدایت کا راستہ محفوظ نہیں رہے گا، کہیں نہ کہیں ہم بھٹک جائیں گے، نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک۔ اکابر کا دامن تھامنا ہر مسلمان پر لازم ہے، ہر عالمِ دین پر لازم ہے۔ راستہ گم کرنے کا اور بھٹکنے کا ایک سببِ عظیم یہ بن گیا ہے کہ ہم لوگ اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگے ہیں۔ اپنے علم کو، اپنے فہم کو، اپنی تحقیقات کو قابلِ اعتماد سمجھنے لگے ہیں، یہیں سے گمراہی کا راستہ کھل رہا ہے اور کھل گیا ہے۔

ہم لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ ہمیں کسی کو بڑا بنانے کی کیا ضرورت ہے لیکن دیکھئے کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے بڑے عالم، محقق، محدث اور فقیہ ہونے کے باوجود اپنے سر پر کسی کو بڑا سمجھتے ہیں کہ وہ جو فرمادیں وہ ٹھیک ہے، وہی حق ہے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کتنے بڑے عالم تھے، زندگی بھر بخاری شریف اور ترمذی شریف مکمل خود پڑھاتے تھے، جن کے تلامذہ میں کتنے بڑے بڑے محدثین پیدا ہوئے، پورے برصغیر میں بلکہ پوری دنیا میں ہر جگہ جدھر بھی دیکھو تو اکثر انہی کے تلامذہ نظر آتے ہیں لیکن کیا شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ اپنے آپ کو مقتدا سمجھتے تھے کہ میرا ہی طریقہ صحیح ہے؟ کیا اپنے علم پر، اپنے فہم پر انہوں نے بھروسہ اور اعتماد کیا؟ نہیں بلکہ اپنے سر پر کسی کو بڑا بنایا، ان کو اپنا مقتدا بنایا اور ان کی پیروی کرتے رہے۔ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کتنے بڑے فقیہ تھے لیکن بڑوں کے سامنے اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ یہی شان تھی ہمارے تمام حضراتِ اکابر کی۔ دوستو! جس نے اپنے آپ کو کچھ سمجھا وہ ہلاکت کے راستے پر چل رہا ہے۔

کچھ ہونا مرا ذلت و خواری کا سبب ہے	یہ ہے مرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
اس پر ہے مجھے ناز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں	

جب واصل الی اللہ ہوئے تو اَنا بالکل فنا، یعنی اپنے آپ کو بالکل فنا کردے پھر وہ اللہ تک پہنچتا ہے۔ دیکھو! ابلیس کتنا بڑا عالم تھا، اس کا نام عزازیل تھا یعنی اللہ کا معزز بندہ لیکن پھر وہ ابلیس بن گیا۔

علتِ ابلیس اَنَا خَیْرٌ بودست

اپنے آپ کو کچھ سمجھنا یہ ابلیس کی علت تھی، مرض تھا کہ میں کچھ ہوں، خود کو بڑا سمجھا، اسی سے مردودیت تک پہنچا، نعوذ باللہ من ذلک، اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

سلامتی کا راستہ اکابر کے طریق پر جمے رہنا ہے

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کس طرح اہلِ مدارس کو تنبیہ فرمائی تھی کہ اے علمائے دین ! خوب یاد رکھو، ابلیس عالم تھا، عابد تھا، عارف تھا، اس کے باوجود وہ مردود کیسے ہوگیا؟ اس کو کس نے گمراہ کیا؟ فرمایا یہی نفس تو تھا، اسی نفس کی وجہ سے وہ گمراہ ہوا ہے۔ وہی نفس ہمارے اندر بھی ہے لہٰذا باوجود لاکھ علم کے، عمل کے، عبادات کے، کچھ اعتبار نہیں، بس اطمینان، امن اور سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ اپنے اکابر کے طریق پر جمے رہیں، خود مجتہد نہ بنیں، خود اکابر کی کرسی پر نہ بیٹھ جائیں کہ یہ اکابر کی کرسی اب میری ہے۔

اب یہ عجیب بات بن گئی ہے کہ کسی جگہ پر بیعت ہوگئے، خلافت مل گئی تو اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم کچھ بن گئے، اپنے آپ کو اس طرح سمجھنا خود دلیل ہے کہ یہ نفس کی غلامی، نفس کے دام میں پھنس گئے ہیں، یہ تو بہت خطرناک بات ہے بھئی۔ دیکھئے! اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دین کے دو حرف سے جو میرا تعارف ہوگیا اگر یہ دو حرف کا داغ مجھے نہ لگتا تو دنیا کو پتا بھی نہ چلتا کہ قاسم نام کا کوئی آدمی اس بستی میں آیا بھی تھا، پیدا بھی ہوا تھا۔ اس طرح سے ان حضرات نے اپنے آپ کو مٹایا، اور ہمارا حال کیا ہے کہ ہماری بات میں، انداز میں، رفتار و گفتار میں ہر چیز میں عجب ہی عجب ظاہر ہوتا ہے۔ یہ پندار کہ ہم کچھ ہیں، خدا کی قسم! ایسے لوگوں کا اتباع بالکل جائز نہیں ہے جو اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہیں کیونکہ

ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت شاملِ حال نہیں ہوتی، بلکہ ایسوں کو اللہ تعالیٰ ان کے نفس کے حوالے کر دیتے ہیں۔

لہٰذا اللہ اور اس کے رسول کے فرامین سمجھنے کے لئے جو رجال اللہ ہیں، جو اللہ کے خاص ہیں، ان اکابرِ دین، فقہائے امت سے دین کو سمجھنا چاہئے اور جو ایسے نہیں ہیں، ان سے ہم دین نہیں سمجھیں گے، ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (اور یہی قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے):

((اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ، فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ ۔رواہ مسلم))
(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)؛ کتاب العلم؛ ص ۳۷)

یہ علم دین ہے اور دین ہی نجات اور فلاح کا طریقہ ہے، اسی پر چل کر اللہ تک پہنچنا ہے، لہٰذا تم پر لازم ہے کہ یہ دیکھ لو کہ تم کس سے دین سیکھ رہے ہو۔ کوئی اعلان کرے، پکارنے لگے اور تم دوڑنے لگو، ایسا ہرگز صحیح نہیں ہے، یہ دیکھنا ہے کہ اس کے اندر صحیح فہمِ دین، صحیح علمِ دین ہے کہ نہیں؟ اب لوگ مقررین اور واعظین کو اپنا مقتدا سمجھتے ہیں، ارے ائمہ دین کو اپنا مقتدا سمجھنا چاہئے، فقہائے امت کو اپنا مقتدا سمجھنا چاہئے، ائمہ دین اور فقہائے امت کی تحقیقات اور ان کی ہدایات کے مطابق چلنا چاہئے۔ ہمیں کسی واعظ اور مقرر کی اقتداء اور اتباع کا حکم نہیں ہے البتہ فقہائے شریعت کی اتباع واقتداء کے لئے ہم مامور ہیں۔ اسی میں بالکل اطمینان ہے اور یہی دین ہے، یہی راہِ حق ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے، اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے، ہر ضلالت اور ہلاکت سے بچائے۔ واعظین اور مقررین کی تقریر جب معتبر ہے کہ ان کی تقاریر فقہاء اور اکابرِ دین کے علوم کے ذریعہ سے مُؤیّد ہوں۔ اگر ان کی باتیں فقہاء اور اکابرِ دین کے علوم سے اور ان کے دینی فیصلے سے ٹکرائیں تو ہرگز ہرگز وہ باتیں قابلِ اتباع نہیں ہیں بلکہ اس سے دوری لازم اور واجب ہے لقولہ تعالیٰ: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۔ ترجمہ: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولوا الامر یعنی فقہاء فی الدین کی اطاعت کرو۔

صحبتِ اہل اللہ کی اہمیت

اور سنو بات! لاکھ نئے نئے مجتہدین پیدا ہوتے رہیں، کسی مجتہد کی طرف خیال بھی نہ کرنا، دھیان بھی نہ دینا، بات بھی نہ سننا، اپنے اکابر کے طریق پر جینا اور مرنا، بس ؎

کوئی جیتا کوئی مرتا ہی رہا
عشق اپنا کام کرتا ہی رہا

اب کیا ہے کہ جو بات اپنے دماغ میں آ گئی اسی کو عینِ دین سمجھتے ہیں، اسی کو طریقۂ اکابر سمجھتے ہیں کہ جتنے اکابر گزرے ہیں، ہماری سمجھ کے مطابق ان کا دین تھا، عجیب حال ہے۔ یہ تو در پردہ ایسا دعویٰ ہے کہ ہم مجددِ اعظم ہیں، جتنے بھی مجدد گزرے ہیں، ہماری تجدید کی روشنی ان پر پڑتی تھی، ہماری تجدید کی روشنی میں وہ زندگی گزارتے تھے۔ اس لئے اگر کسی کا من مانی باتیں کہنے کا مزاج ہوتا ہے تو ہمیں بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے، کیا یہ سب تماشہ ہے یارو! یہ تماشہ چھوڑو، حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے مواعظ وملفوظات کیوں نہیں پڑھتے؟ خوب یاد رکھو ان سب باتوں کو، یہ باتیں آپ کو کم سننے میں آئیں گی، ان باتوں کا چرچا آج کل بہت کم ہے، اور اگر یہ سب باتیں آسانی سے ملنے کا شوق ہو تو ہمارے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کتابوں کے سمندر میں تیرتے رہو، پھر ان شاء اللہ! ساری باتیں وہاں اطمینان اور اعتدال کے ساتھ اور پوری تشریح کے ساتھ مل جائیں گی۔ لیکن اس سے پہلے اس سلسلے کے کسی کامل اہل اللہ کی صحبت اُٹھا لو تا کہ وہ باتیں سمجھنے میں آسانی ہو۔

یہ معاملہ ایسا خاص ہے کہ میں کیا کہوں! بس اپنے تجربے کی بات بتاتا ہوں، مشاہدہ بتاتا ہوں کہ بغیر صحبت اہل اللہ کے یہ دروازہ کھلتا ہی نہیں ہے، اب جس کا جی چاہے وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر اس دور میں ہم کس کو جانیں، حضرت فرماتے ہیں کہ عادۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ قلب کی اصلاح، امراضِ باطنی کی اصلاح ہوتی ہے اہل اللہ کی صحبت سے، ان کی دعاؤں کی برکت سے، ان کی نگاہوں کی برکت سے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سب عالم نہ تھے، صحبت سے پایا جو کچھ بھی پایا۔ یہ بات کہ سب

عالم نہ تھے اس کا بھی مطلب سمجھنا چاہئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ سب ''بڑے عالم'' نہ تھے، سب ''فقہاء'' نہ تھے، وہ فقیہ جو فتویٰ دے سکے یعنی سب مفتیانِ کرام نہ تھے ورنہ دین کی پختہ سمجھ تمام صحابہ کے اندر موجود تھی۔ ایسی پختہ سمجھ تھی کہ وہ دین سے ہٹ نہیں سکتے تھے، بالکل عین دین پر قائم رہتے تھے، سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ شان تھی کہ بالکل پاک و صاف دل رکھتے تھے، علم اور دین کی سمجھ ان کی بہت گہری تھی۔ شریعت کی اصطلاح میں عالم اس کو کہتے ہیں جو فرض علم سے بڑھ کر علم رکھتا ہو اور عابد اس کو کہتے ہیں کہ جتنا علم فرض ہے اس کے حصول کے بعد عبادات میں، نوافل میں کثرت کرتا ہو۔ اس لئے سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو عالم نہیں کہا جاتا تھا، صحابہ میں مثلاً صدیق اکبر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما، اسی طرح خلفاء راشدین، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ، بیس پچیس صحابہ رضی اللہ عنہم جو بڑے بڑے فقہاء تھے، باقی صحابہؓ اپنے آپ کو سمجھتے تھے کہ ہم تو عام لوگ ہیں، عامۃ الناس ہیں، ہم پر واجب ہے کہ ان بڑے صحابہ کا اتباع کریں۔ یہ حال تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعمتِ صحبت کے حصول کے باوجود، خود صحابی ہونے کے باوجود وہ سمجھتے تھے کہ ان اولوالامر کا اتباع، ان کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔ تو حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے جو کچھ پایا نبی کی صحبت سے پایا۔ صحبت اہل اللہ کی اہمیت کی دلیل کیا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۝﴾

(سورۃ التوبۃ: آیۃ ۱۱۹)

اِتَّقُوا اللّٰهَ میں پورا دین ہے، پھر اس کو حاصل کرنے کا طریقہ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ فرما دیا یعنی صادقین کے راستے سے دین ملتا ہے، اہل اللہ کی صحبت سے دین ملتا ہے، فہمِ دین عطا ہوتا ہے اور راستہ صاف ہوتا ہے، اسی کو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنے علم کو اس انداز سے پیش فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ شکر ادا کیا کہ:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا یَرْضٰی بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)؛ باب العمل فی القضاء؛ ص ۳۲۴)

فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میرے صحابی کو ایسا علم اور تفقہ فی الدین سے نوازا۔ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو یہ سب حضرات بڑے بڑے انبیاء بن جاتے اور ان میں یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی ہوتے۔ رمزی اٹاوی نے کیا خوبصورت شعر کہا ہے۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے عشاق کو، خدام کو، جن انسانوں کو حضرتؒ نے تیار کیا، اس قافلہ کو دیکھ کر رمزی اٹاوی اتنے متاثر ہوئے کہ یا اللہ! یہ کیسے لوگ ہیں، سوائے دین کے کچھ جانتے ہی نہیں، سوائے شریعتِ پاک کے، احکامِ شریعت کے کچھ سمجھتے ہی نہیں، کسی طرف نگاہ ہی نہیں ہوتی۔ اس پر رمزی اٹاوی شاعر نے کہا تھا ؎

یہ خدامِ شریعت ہیں، جو مانندِ پیمبر ہیں
وہ دریا کیسا ہوگا جس کے یہ قطرے سمندر ہیں

اللہ اکبر! کیسے ہیں یہ خدامِ شریعت، شریعت کے یہ خدام کیسے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ ایک ایک شخص گویا ایک ایک مستقل پیغمبر ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمادیا کہ اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ میں خاتم النبیین ہوں اور قیامت تک اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے، وہ کذاب ہے، دجال ہے، دھوکے باز ہے، ملعون ہے، سر سے پاؤں تک ابلیسیت میں ڈوبا ہوا ہے، اس کا ہر قول، ہر فعل ابلیس کا قول وفعل ہے، اس کا ساتھ دینے والے سب لوگ جنودِ ابلیس ہیں۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے جس صحابی کے علم کو دیکھ کر شکر ادا کیا، وہ کتنے بڑے عالم اور فقیہ ہوں گے، وہ عارفِ کامل، محدث وفقیہ کامل معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اِجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً))

(صحیح البخاری: (قدیمی)، باب بنی الاسلام علی خمس، ج ۱ ص ۶)

آؤ بیٹھو! ہم تم ساتھ بیٹھتے ہیں تاکہ انوارِ ایمان سے ہم معمور ہو جائیں، ایمان کے سارے دروازے بالکل کھل جائیں اور ہمیں اللہ کے جمال کا خوب مشاہدہ ہوجائے۔ ایمان کے اندر غیر محدود انوار ہوتے ہیں اور ایمان کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلقِ خاص کا نام ہے، محبتِ خاصہ کا نام ایمان ہے۔

لہٰذا مدارسِ اسلامیہ میں خالی عربی سیکھنا کافی نہیں ہے بلکہ اہل اللہ کی صحبت بھی ضروری ہے، خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں جنہیں اپنے اکابر کی دعاؤں سے دینی اور ایمانی زندگی عطا ہوتی ہے۔

اے تو ئی ایمانِ من اسلامِ من

یہی حضرات ہوتے ہیں جن سے ایمان اور اسلام ملتا ہے، عقلِ سلیم اور فہمِ سلیم عطا ہوتی ہے اور ان کی برکت سے صراطِ مستقیم عطا ہوتی ہے۔ قرآن وحدیث میں صاف بتلا دیا گیا کہ احکاماتِ الٰہیہ پر زندگی بناؤ لیکن صادقین کی معیت کے ساتھ، نگاہِ صادقین میں جانچ کر، ان کی موافقت کے ساتھ اپنی زندگی بناؤ، یہ خاص بات ہے۔ امت کا جو طبقہ اس سبق کو بھول گیا وہ ہلاک و برباد ہوگیا، گمراہی کی دلدل میں پھنس گیا، بالکل بے راہ ہوگیا، یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ کافر ہوگیا لیکن یہ ہے کہ ایمان کی برکات سے محروم، دین اور علمِ دین کی برکات سے محروم ہوگیا۔ اسی لئے ہمیشہ اکابرِ دین میں یہ شیوہ اور معمول رہا کہ وہ اپنے اکابر کی صحبت، ان کی تربیت اور دعائیں لیا کرتے تھے۔

صحبت یافتہ اور غیر صحبت یافتہ شخص کے نورِ قلب کا فرق

تعجب ہے کہ لوگ معلومات کے ڈھیر پر تو نظر رکھتے ہیں لیکن صحبت اہل اللہ کا اہتمام ہی نہیں کرتے، دن رات پڑھنا پڑھانا، معلومات حاصل کرنا، تعلیم دینا، سیکھنا اور سکھانا بس اسی پر نظر، اسی میں غرق، اسی میں فنا ہیں۔ یہ طریقہ ہمارے اکابر کا نہیں تھا، یہ ہے کہ علمی محنت بھی ہو اور ساتھ ساتھ اہل اللہ کی صحبت کا بھی اہتمام ہو، یہ ضروری ہے، بغیر اس کے علم کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔ ہمارے حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کو جو حضرات مانتے ہیں، وہ سن لیں کہ حضرت فرماتے تھے کہ ایک آدمی ہے کہ جو عالم تو نہیں ہے لیکن صحبت یافتہ ہے اور ایک شخص عالم تو ہے لیکن صحبت یافتہ نہیں ہے، فرمایا کہ دین کی فہم اس شخص کے اندر زیادہ ہوگی کہ جو عالم تو نہیں لیکن اہل اللہ کا صحبت یافتہ ہے، اس کے پاس آپ کو صحیح چیز ملے گی، صحیح رہنمائی ملے گی، کیونکہ قلب کے اندر جو نورِ تعلق مع اللہ ہوتا ہے

وہ ان کو راہِ حق کی طرف کھینچتا ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ اکابر نے صحبت اہل اللہ کا جتنا اہتمام کیا اتنا علم کا اہتمام نہیں کیا۔ ان سب باتوں کو آپ کمالاتِ اشرفیہ میں دیکھ لیں۔

لہٰذا شیطان کی بربادی سے سبق حاصل کرتے ہوئے سب سے پہلا کام تو یہ کرنا ہے کہ نفس کی غلامی سے ہم بچیں، اتباعِ ھویٰ سے اپنے آپ کو مکمل طور پر محفوظ کرنا ہم پر واجب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ص ۳۰)

اپنی من مانی زندگی نہیں چاہئے، اپنے خیال وخواہشات کی زندگی نہیں چاہئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہماری اتباع والی زندگی بناؤ، میری شریعت کا اتباع کرو۔ اس میں تو بالکل صاف تعلیم ہے کہ اپنے جذبات وخیالات کا اتباع نہیں بلکہ ہماری شریعت کا اتباع تم پر لازم ہے۔ اب ہوتا کیا ہے کہ ہمارے خیالات وجذبات یا بہت سے حضرات کے خیالات وجذبات یعنی بڑا مجمع اکٹھا ہو کر ایک فیصلہ کرلے تو کیا یہ ایک دینی فیصلہ ہو گیا؟ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ فقہائے امت اور ائمہ دین کے نزدیک اس معاملہ کی کیا تحقیق ہے؟ اس کو دیکھنا اور اپنانا چاہئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ص ۳۰)

کہ ہمارا جو طریقہ ہے وہ تو ہے ہی بالکل نجات، ہدایت اور فلاح کا طریقہ بلکہ جو ہمارے خلفائے راشدین ہیں ان کا طریقہ بھی میرا ہی طریقہ ہے۔ کیسی عجیب بات ہے! عَلَیْکُمْ کیا ہے؟ یعنی تم پر لازم ہے کہ تم ہمارے ہی راستے پر چلو، ہمارے ہی راستے پر قائم رہو، بس ختم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یہ فرمادیں تو ہر اُمتی آپ کی بات پر، ہدایت پر جان نہ فدا کردے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے نقشِ قدم پر فدا ہونے کے لئے بلایا ہے تو ابھی فوراً فدا

ہوجاتے ہیں۔ساتھ ہی فرمایا کہ ہمارے خلفائے راشدین کا جو طریقہ ہے، ان کی جو تعلیم ہے، وہ میرا ہی طریقہ ہے، میری ہی پسند ہے۔ اسی لئے تراویح کے معاملے میں اب کوئی اشکال باقی نہیں رہ سکتا، کیونکہ خلفائے راشدین کے اندر یہ عمل تھا، ماشاء اللہ۔ تو آپ ﷺ نے بتادیا کہ ان حضرات کا طریقہ میرا ہی طریقہ ہے۔

تعلیماتِ اکابر سے ہٹنا گمراہی کا بڑا سبب ہے

لہٰذا علمائے دین، خدامِ شریعت، تمام مشائخ اور ان کے غلاموں پر یہ فرض ہے کہ صرف اسی بات پر رُک نہ جائیں کہ اتباعِ شریعت اور گناہوں سے بچو، یہیں پر بات ختم نہ کردیں، اس کے ساتھ ہمیشہ اس کا اہتمام رکھیں کہ اکابرِ دین کا اتباع لازم ہے، ان کی عظمت، ادب، احترام ضروری ہے، اور جو ائمہ دین کے ساتھ گستاخی کرتا ہے تو ایسا آدمی حق پر نہیں ہے، صحیح راستے پر نہیں ہے۔

مستند رستے وہی مانے گئے
جن سے ہو کر تیرے دیوانے گئے
لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے
تا بہ منزل صرف دیوانے گئے

فرزانہ اس کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے، اپنی عقل پر اعتماد رکھتا ہے کہ ہماری عقل، ہماری سمجھ، ہماری تحقیق سب کچھ ہے۔ الحمدللہ! ہم ایسے اکابر کے پیرو ہیں جو آفتابِ امت تھے، آفتابِ شریعت تھے، آفتابِ علمِ نبوت تھے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
من غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

(ترجمہ: نہ میں رات ہوں اور نہ رات کا غلام ہوں کہ خواب کی باتیں کروں، چونکہ میں آفتابِ شریعت کا غلام ہوں سو میں آفتابِ شریعت کی روشنی کی باتیں کرتا ہوں) تو جہاں ہمیں آفتاب و ماہتاب مل گئے وہاں شب پرستی کا کیا سوال پیدا ہوسکتا ہے؟

میں قسم بخدا کہتا ہوں کہ ساری دنیا میں جتنے فتنے پیدا ہو گئے ہیں، جتنی غلط جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں، جتنے گمراہ لوگ پیدا ہو گئے ہیں، خواہ غیر علماء میں ہوں یا کہ علماء میں ہوں، صرف ایک ہی وجہ ہے، اکابرِ دین سے ہٹنا۔ اسی سے یہ لوگ گمراہ ہوئے ہیں، ورنہ مسلمان ہیں، دین صحیح ہے، ایمان صحیح ہے، عقائد صحیح ہیں، سب درست ہے لیکن اکابرِ دین کی رائے سے ہٹنے کی وجہ سے گمراہی کا آغاز ہوا۔ جو شخص اکابرِ دین سے بغض رکھتا ہو، اکابرِ دین، ائمہ دین کے ساتھ گستاخی کرتا ہو تو یہ شخص بالکل گمراہی کی غلاظت میں ڈوبا ہوا ہے، یہ ضالّین اور مضلّین میں سے ہے، اس کے قریب بھی جانا صحیح نہیں ہے، اس سے بالکل دور رہنا ضروری ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

((اَلْبَرَكَةُ مَعَ اَكَابِرِكُمْ. صحیحٌ علی شرطِ البخاری))

(المستدرك على الصحيحين للحاكم: (دار الكتب العلمية)؛ جزء ۱ ص ۱۳۱؛ رقم ۲۱۰)

((وفی روایۃٍ: اَلْخَيْرُ مَعَ اَكَابِرِكُمْ))

(المقاصد الحسنة للسخاوی: (دار الكتاب العربی، بیروت)؛ جزء ۱ ص ۳۴۷؛ رقم ۴۷۰)

یعنی تمام دینی بھلائیاں اور دینی برکتیں اکابرِ دین ہی کے راستے میں ہیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بھی ہدایت دی ہے:

((اَلْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)؛ کتاب الآداب؛ ص ۴۱۴)

(ترجمہ: بُرے دوست سے تنہائی بہتر ہے اور اچھا دوست تنہائی سے بہتر ہے) (السوء کے سین پر فتحہ اور ضمہ دونوں درست ہیں۔ مرقاۃ) جس کے اندر خلافِ دین کوئی بات ہو یعنی بد دینی ہو، اس سے دور رہا کرو اگرچہ اکیلے رہو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وضاحت فرما دی کہ جلیسِ صالح کون ہے؟ وہ سچا بندہ جو اللہ کا ہے، یہ نہیں کہ ابھی بایزید، ابھی ننگِ یزید، ابھی نماز پڑھتا ہے، ابھی گالیاں بکتا ہے، ابھی خوب ذکر اللہ میں غرق اور پھر جا کر بدنظری کرتا ہے، گھر میں شرعی پردہ نہیں ہے، ایسا شخص جلیسِ صالح نہیں ہے۔ جلیسِ صالح تو وہ ہے جو ہر حال میں متبع شریعت ہے، دن میں بھی، رات میں بھی، صبح بھی شام بھی، حقوق اللہ

میں بھی اور حقوق العباد میں بھی، ہر حال میں جو اللہ کے احکامات کا تابعدار رہے۔ اگر ایسے جلیسِ صالح مل جائیں تو پھر اکیلے بیٹھے مت رہو، ان کے ساتھ جا کر رہو، تمہارے لئے اس میں زیادہ کامیابی ہے، اس میں زیادہ نور اور اس میں زیادہ قربِ الٰہی ہے۔

یہ سب حقائق جن کے سامنے واضح نہیں ہیں وہ لوگ دلدل میں پھنس جاتے ہیں، غلط لوگوں کی پیروی کرنے لگ جاتے ہیں۔ مقتدا حضرات اگر علوم و اعمال میں بڑے درجہ کے ہیں تو سبحان اللہ، اور اگر کم از کم ان حضرات کے مکمل پیرو اور ان کی تشریحِ دین کے پابند ہیں پھر بھی وہ قابلِ اقتداء ہیں، اور اگر نہ خود اس درجہ کے ہیں اور نہ اکابرِ دین کے اتباع اور پیروی کے پابند ہیں بلکہ اسلاف و اکابر کے مخالف ہیں تو ایسے شخص سے دور رہنا فرض ہے کیونکہ اس کے ساتھ رہنے سے اور اس کا اتباع کرنے سے آدمی گمراہی میں پھنس جائے گا۔ اس بات کو پوری دنیا میں پھیلاؤ اگر حق کو زندہ کرنا ہے، اگر دین پر قائم رہنا ہے، اگر صراطِ مستقیم پر قائم رہنا ہے۔ جہاں بھی گمراہی پھیلی ہے اکابرِ دین سے ہٹنے ہی کے سبب سے پھیلی ہے، جس حد تک اکابرِ دین سے دوری ہوگی اتنی ہی بے راہی ہوگی۔

گناہ چھوڑنا اور گنہگاروں کی آہ وزاری

دوسرا کام یہ کریں کہ خوب پکا ارادہ کریں کہ گناہ نہیں کرنا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ! اور اگر گناہ ہو جائے تو ضرور توبہ کرلیں گے، خوب روئیں گے، اگر رونا نہ آئے تو رونے کی شکل بنائیں گے، رونے کی شکل بنانے سے بھی وہ کام بنا دیں گے، اللہ تعالیٰ کا فضل ان پر بھی ہو جاتا ہے اور کیا چاہئے۔ گنہگاروں کی گریہ وزاری پر ایک مزیدار قصہ یاد آیا۔ میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جو میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہوتے تھے، سید تھے، انہوں نے مجھے کراچی کی خانقاہ میں قصہ سنایا کہ حضرت والا کی خانقاہ کے ساتھ والی مسجد میں ایک بے چارہ نوجوان بیٹھا رو رہا تھا۔ جتنے بھی نمازی تھے، سب مسجد سے چلے گئے، بس دو آدمی رہ گئے، ایک کونے میں ایک آدمی اور دوسرے کونے میں یہ نوجوان بیٹھا بہت گریہ وزاری کر رہا تھا کہ اے اللہ! مجھ سے بہت گناہ ہو گئے، مجھے معاف فرما دیجئے، یہ کہتے ہوئے اتنا رو رہا تھا کہ

رُکتا ہی نہیں، بس آنسوؤں کا دریا بہا رہا تھا، اور دور وہ شخص بیٹھا سب تماشا دیکھ رہا تھا۔ اب جیسے ہی اس نوجوان کی دعا و مناجات ختم ہوئی یہ آدمی جلدی سے اس کے پاس پہنچا اور کہا کہ ابے! اتنا گناہ کیوں کرتا ہے کہ پھر اتنا روتا ہے، اس کو بہت ڈانٹا، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود مجھے یہ قصہ سنایا تھا کہ وہ صاحب داروغہ بن کر آئے اور کہنے لگے تو گناہ اتنا کیوں کرتا ہے کہ اب روتا رہتا ہے، گناہ ہی نہ کرنا چاہئے تھا۔ گویا کہ ان کو اس بے چارے کو ڈانٹنے کی ذمہ داری ملی ہے۔ میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب سناتے تھے تو بہت لطف آتا تھا، بالکل وہی منظر کشی فرماتے تھے۔

لہٰذا داروغہ بن کر لوگوں کو مایوس مت کرو، بھئی غلطی ہو جاتی ہے تو معافی مانگ لیں، حق تعالیٰ تو خود ہی فرماتے ہیں آ جا، معافی مانگ لے، ہم معاف کر دیں گے اور جنت الفردوس میں داخلہ دے دیں گے۔ یاد رکھو! اس دنیا میں رہ کر کوئی آدمی ہر گناہ سے بچ جائے، بالکل ہی فرشتہ ہو جائے ایسا کم ہوتا ہے، گویا کہ ہوتا ہی نہیں ہے۔ میں نے خود اپنے کانوں سے کراچی کی خانقاہ میں سنا، میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دنیا میں رہ کر گناہ سے کون بچ سکتا ہے، کچھ نہ کچھ گناہ تو ہو جاتا ہے لیکن بے فکر مت رہا کرو، اور اس کا پروگرام مت بناؤ کہ ہم گناہ کریں گے بلکہ عزمِ مصمم رکھو کہ ہم ہرگز گناہ نہیں کریں گے، ایک لمحہ کے لئے اللہ کو ناراض نہیں کریں گے، اللہ کو ناراض کرنا یہی دوزخ ہے۔ پھر ہزار کوشش کے باوجود اگر پھسل گئے، کوئی غلطی ہو گئی تو ناامید نہ ہو جاؤ، توبہ واستغفار کے ذریعہ اللہ سے معافی لے لو، دوبارہ راضی کر لو۔ پھر جنت کی طرف چلنے لگو، حق تعالیٰ منتظر ہیں کہ یہ کب جنت میں ہمارے پاس آئیں گے۔

مؤمنین کو روزِ قیامت سے پہلے ہی جنت کی بعض نعمتیں چکھا دی جائیں گی

ایک خاص بات اور سنو کہ میدانِ محشر میں تو حساب کتاب کے بعد جنت اور جہنم کا فیصلہ ہوگا لیکن ایک انعام فوراً مرنے کے بعد ہی حق تعالیٰ عطا فرمائیں گے کہ یہ بندہ میرا اتنی تاخیر کہاں برداشت کرے گا، اس کے لئے ابھی سے جنت کی طرف کا دروازہ کھول دو:

((اِفْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ - رواہ احمد و ابو داؤد))

(مشکوٰۃ المصابیح:(قدیمی)، کتاب الایمان، باب اثبات عذاب القبر، ص ۲۵)

فرشتوں کو حکم ہوگا کہ جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو، کچھ دیکھ تو لے میرا بندہ، اُدھر سے جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آئیں، کچھ آرام تو ملے۔ اور حدیثِ پاک میں یہ بھی آیا ہے:

((اِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَيْرٌ تَعْلُقُ فِيْ شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَهُ اللهُ فِيْ جَسَدِهٖ يَوْمَ يَبْعَثُهٗ - رواہ مالك والنسائی والبیہقی))

(مشکوٰۃ المصابیح:(قدیمی)، باب ما یقال عند من حضرہ الموت، ص ۱۴۳)

((اِنَّ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ حَوَاصِلِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَرْعٰى فِي الْجَنَّةِ وَتَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا وَتَشْرَبُ مِنْ مِّيَاهِهَا وَتَأْوِيْ اِلٰى قَنَادِيْلَ مِنْ ذَهَبٍ تَحْتَ الْعَرْشِ قَالَ الْقُرْطُبِيُّ: وَذَهَبَ بَعْضُ الْعُلَمَآءِ اِلٰى اَنَّ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ كُلِّهِمْ فِي الْجَنَّةِ يَعْنِيْ اَنَّهٗ غَيْرُ مُخْتَصٍّ بِالشُّهَدَآءِ وَلِذٰلِكَ سُمِّيَتْ جَنَّةَ الْمَاْوٰى لِاَنَّهَا تَأْوِيْ اِلَيْهَا الْاَرْوَاحُ وَهِيَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَيَتَنَعَّمُوْنَ بِنَعِيْمِهَا وَيَشُمُّوْنَ بِطِيْبِ رِيْحِهَا))

(مرقاۃ المفاتیح:(رشیدیہ)، باب ما یقال عند من حضرہ الموت، ج ۴ ص ۹۹، رقم ۱۶۳۱)

کہ بندہ قبر کے گڑھے میں لیٹا نہیں پڑا رہتا بلکہ اس کی روح اُڑ کر عرشِ اعظم کے نیچے قندیلوں میں جا کر بیٹھ جاتی ہے، وہاں سے وہ سب تماشے دیکھتی رہتی ہے کہ کیا تجلیات ہیں؟ کیا انوار ہیں؟ کون سا عالم ہے؟ وہیں سے اس کو اپنی جنت کے مناظر بھی نظر آتے ہیں، حق تعالیٰ سے اس کو اجازت ملتی ہے کہ اگر چاہے تو جا کر اپنی جنت دیکھ لے، گھوم پھر کے آجا بلکہ کچھ چکھ بھی لے، کچھ تھوڑا سا کھا بھی لے۔ ایک تو یہ ہے کہ مستقلاً جنت مل جانا اور ایک یہ ہے کہ وقتی اور عارضی اجازت مل جانا، یہ وقتی اور عارضی اجازت مل جائے گی کہ اچھا ٹھیک ہے تھوڑا سا کھا لو، ٹیسٹ کر لو، یہ بھی بڑی نعمت ہے۔

اُمت کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار بنائیں

تو ایک کام تو یہ بتا دیا کہ گناہوں سے بچو، اس کے علاوہ یہ کہ اللہ کا نام لو،

روزانہ ان کو یاد کرو خواہ چند منٹ کے لئے ہو، کسی بھی طریقہ سے ان کا ذکر کرو، لا الٰہ الا اللہ پڑھ لو یا اللہ اللہ کہہ لو، یا کچھ اور کہہ لو، تخلیہ میں چند منٹ کے لئے بیٹھ جاؤ۔ خصوصی طور پر اللہ سے بات کرنی چاہئے جس کو مناجات کہتے ہیں، مناجات کے معنی ہیں سرگوشی کہ چپ چاپ حق تعالیٰ سے کچھ کہا کرو کہ ہم آپ کے ہیں، ہم کسی اور کو نہیں جانتے، ہم سے غلطی ہوگئی ہے، معاف فرمادیں۔ میرے دوستو! اس طرح سے کچھ کہہ کر تو دیکھو، دو رکعت پڑھو اور کچھ کہو یا ایک ہی سجدہ کرلو پھر کچھ کہہ دیا کرو، دیکھ لو کہ پھر اس سے قلب میں ایک بہار پیدا ہوگی، نور کا ایک دریا موجزن ہونے لگے گا۔

ترے تصور میں جانِ عالم مجھے یہ راحت پہنچ رہی ہے
کہ جیسے مجھ تک نزول کر کے بہارِ جنت پہنچ رہی ہے

اس طرح سے لوگوں کو اللہ کی رحمت کا امیدوار بناؤ، ناامید نہ بناؤ، وہ لوگ جو مشائخ ہیں ان کا لوگوں کو ڈرانا، تیز باتیں کرنا، سختی کرنا کہ جس سے لوگ ڈرنے لگیں، مایوس ہونے لگیں، یہ سخت غلط بات ہے، ایسا ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ نہیں ہے، خود حق تعالیٰ قرآنِ پاک میں جب جہنم کی وعید سناتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر تم ایمان لے آئے اور تم نے اچھا کام کیا، ہمیں خوش کردیا تو ہم ضرور تمہیں جنت عطا کریں گے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو واضح نصیحت فرمادی کہ:

((اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یسّروا ولا تعسّروا، ج ۲ ص ۹۰۵)

تمہیں بھیجا گیا ہے کہ تم آسانی کے ساتھ حق تعالیٰ کے بندوں کو حق تعالیٰ سے جوڑ دو، تمہیں سختی کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ فرعون سے بڑھ کر کون نالائق ہوگا! حق تعالیٰ جب فرعون کے پاس حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام دونوں کو بھیجتے ہیں تو فرماتے ہیں: **اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ** کہ تم دونوں جاؤ فرعون کے پاس، اس کو سمجھاؤ، **اِنَّهٗ طَغٰى** وہ حد سے گزر گیا ہے، **اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى** کہنے لگا ہے، اس کو جا کر سمجھاؤ تو ساتھ ہی فرماتے ہیں **فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا** لیکن کتنا ہی وہ حد سے بڑھ جائے، جب اس کو سمجھانے لگو تو نرمی سے بات کرو، نرمی کا

پہلو اختیار کرو لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى کیونکہ نرمی کے طریقہ سے اگر سمجھاتے ہیں تو اس میں یہ بات ہوتی ہے کہ قبولِ حق کی توفیق اور خشیتِ الٰہیہ کا راستہ کھل سکتا ہے، یہ بات سختی میں نہیں ہوتی۔ لہٰذا محبت سے لوگوں کو پکارنا چاہئے کہ ارے میاں! گھبراؤ نہیں، چلو آگے چلو، ان شاء اللہ! کام کریں گے تو کامیاب ہو جائیں گے، اور ہم کہاں کامیاب بنیں گے، حق تعالیٰ خود ہی کامیاب فرمادیں گے۔

کام کو خود کام پہنچا دیتا ہے انجام تک
ابتداء کرنا ہے مشکل انتہاء مشکل نہیں

شریعت میں ہر چھوٹے بڑے عمل کے لئے احکام ہیں

اب جناب بعض لوگوں نے مکمل سختی کا ہی پروگرام بنا رکھا ہے کہ ہم جہاں بھی جائیں گے ہر اسٹیج پر سختیاں کریں گے، اور سخت باتیں بولیں گے، یہ کہاں سے سیکھا ہے؟ موعظت اور نصیحت تو ترغیب وترہیب ہے، ایک طرف تو رغبت اور شوق دلانا ہے اور ایک طرف وعید کی باتیں سنا کر لوگوں کو ڈرانا، بس اتنا ہمارا کام ہے، اسی کو تبلیغِ دین اور دعوت الی اللہ کہتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہتے ہیں۔ کیا امر بالمعروف کے لئے، نہی عن المنکر کے لئے، سیاستِ اسلامیہ کے لئے شریعت میں احکامات مقرر نہیں ہیں؟ شریعت میں تو وضو کے بھی احکامات ہیں، وضو کون سا ایسا مشکل کام ہے لیکن اس کے لئے بھی احکامات مقرر ہیں۔ روزہ کون سا ایسا بھاری معاملہ ہے، صبح صادق سے لے کر غروبِ شمس تک کھانا پینا اور جماع سے بچنا یہی تو روزہ ہے، اس کے بھی کتنے احکامات ہیں، اس کے ہم پابند ہیں کہ نہیں؟ اور حج کیا ہے؟ احرام باندھو اور چلو، طواف کرلو، سعی کرلو، منیٰ، مزدلفہ، عرفات میں کون سا بھاری کام کرنا ہے؟ وہاں تو اکثر لوگ لیٹے رہتے ہیں، عرفات میں کیا کرنا ہے؟ وہاں ٹھہرنا، ایک لمحے کے لئے بھی وقوف ہو گیا بلکہ خالی گذر بھی گیا تو وقوفِ عرفہ ہو گیا، اتنا آسان کام ہے۔ لیکن پھر بھی حج وعمرے کے سفر پر ہم لوگ احکامات کا مطالعہ کرتے ہیں کہ نہیں؟ اس کے پابند رہتے ہیں کہ نہیں؟

ایک مرتبہ عمرے کے سفر میں ہم جہاز میں تھے، بہت سارے احباب بھی ہمراہ تھے، ہم نے سوچا چل کر احباب کی مزاج پرسی کریں تو ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ دستانے پہنے ہوئے ہیں۔ پوچھا بھئی یہ کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ ایئر لائن والوں نے گفٹ دیا ہے تو ہم نے پہن لیا۔ ہم نے کہا اس کو اُتارو، آپ حالتِ احرام میں اسے نہیں پہن سکتے۔ ایک اور صاحب کو دیکھا کہ پیروں میں موزے پہنے ہوئے ہیں اور سر بھی ڈھانپ رکھا ہے۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ تو کہتے ہیں کہ کیا یہ منع ہے؟ ہم نے کہا بالکل منع ہے، کیا آپ نے احرام کی نیت نہیں کی؟ انہوں نے کہا یہ احرام باندھ تو لیا ہے، کیا کچھ اور بھی کرنا ہے؟ ہم نے کہا آپ نے لبیک نہیں پڑھا؟ کہا نہیں وہ تو نہیں پڑھا۔ خیر اُن کو لبیک پڑھایا اور کچھ ضروری باتیں احرام کی پابندیوں کی بتائیں تو کچھ اور لوگ جو عمرہ کرنے جا رہے تھے، اور بظاہر افسران اور عہدیداران لگتے تھے، انہوں نے بھی ہم سے کہا کہ ہمیں بھی احرام کی نیت پڑھوا دیجئے، تو ان کو بھی لبیک پڑھوایا۔ اب دیکھئے! عمرہ کرنے جا رہے ہیں اور اس کے احکام و مسائل سے بالکل آزاد ہیں، آزاد رہ کر کیا حج عمرہ صحیح ہوگا؟ اسی طرح نماز کیا مشکل ہے، اللہ اکبر کہنا، رکوع سجدہ کرنا، التحیات پڑھنا، سلام پھیر کے نماز ختم کر دینا لیکن اس کے لئے احکامات مقرر ہیں کہ نہیں؟ اور ان احکامات کا ہم مطالعہ کرتے ہیں کہ نہیں کہ اس میں فرائض کیا ہیں؟ واجبات کیا ہیں؟ سننِ مؤکدات کیا ہیں؟ مستحبات و مکروہات کیا ہیں؟ کہاں کہاں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے؟ اس کے ہم پابند ہیں کہ نہیں؟ یا اس میں آزاد ہیں؟ آزاد رہ کر کیا نماز، روزہ، وضو، کوئی بھی عمل درست ہوگا؟

عشاقِ حق کے لئے قوانینِ شریعت سراسر رحمتِ الٰہیہ ہیں

تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، جہاد فی سبیل اللہ، سیاستِ اسلامیہ کے لئے آزادی کیسے ہوسکتی ہے کہ جیسے دل چاہے عمل کریں حالانکہ یہ کام تو بہت نازک ہیں، یہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کیا کرتے تھے، انبیاء کرام کا خاص امتیاز تھا۔ یہ کام جب علماء دین کریں گے یا عام مسلمان کریں گے تو کیا اس کے لئے احکامات مقرر نہیں ہوں گے؟ یا کہ ہمیں آزادیاں

حاصل ہیں؟ اگر ہم پابندیٔ شرعی کو توڑیں گے اور آزادی اور من مانی کریں گے تو کیا اس پر میدانِ قیامت میں مواخذہ نہیں ہوگا؟ قسم بخدا! دین کے کسی شعبہ میں آزادی ہرگز ہرگز نہیں ہے، ہم پابندِ شریعت ہیں، مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتا بگڑھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اگر آزاد ہم ہوتے خدا جانے کہاں ہوتے

مبارک عاشقوں کے واسطے دستور ہوجانا

یہاں دستور کا مطلب دستورِ شریعت، احکامِ شریعت، قوانینِ شریعت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں آزاد چھوڑ دیتے، پتا نہیں کہاں ہم لوگ ہلاک ہوجاتے، عشاقِ حق کے لئے قوانینِ شریعت کا ہونا، اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے۔ اور حضرت پرتا بگڑھی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ پورا دین اللہ کی محبت ہے، اس دین کے ذریعہ اللہ سے محبت کا رشتہ قائم ہوتا ہے، اور پھر اس رشتۂ محبت سے کبھی خلاصی نہیں ہے ؎

پابندِ محبت کبھی آزاد نہیں ہے

اس قید کی اے دل کوئی میعاد نہیں ہے

ہم ہمیشہ ہر کام میں قیوداتِ شرعیہ کے پابند ہیں، اکابرِ دین، فقہائے کرام کی دینی تشریحات، پابندیوں اور حدود کے پابند ہیں، آزاد نہیں ہیں۔

اس لئے جو محققین حضرات مفتیانِ کرام ہیں، ان کا امت پر بڑا احسان ہوگا اگر یہ حضرات امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جہاد فی سبیل اللہ، سیاستِ اسلامیہ کے احکامات اور شرائط الگ الگ مرتب کردیں تاکہ علمائے دین، خدامِ دین اور دین کی خدمت کے جذبات رکھنے والے حضرات، ان احکامات کا مطالعہ کرکے مستفید ہوسکیں۔ ان احکامات کو دیکھنے والے، پڑھنے والے اگر اہلِ حق ہیں تو وہ حق ضرور تلاش کریں گے اور جب وہ دیکھیں گے کہ بھئی ہم نے تو غلط سمجھا، ہونا تو ایسا چاہئے، تو ان کے لئے غلطی سے بچنا آسان ہوجائے گا اور ایسے لوگ صحیح راستہ پر آجائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کون مسلمان اور عالمِ دین ہوں گے جو یہ چاہیں گے کہ ہم دین کا کام اور خدمت کرکے پھر انجامِ کار

جہنم میں جائیں، نعوذ باللہ تعالیٰ، ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

علمی انہماک کے ساتھ صحبتِ اہل اللہ کا اہتمام نہ ہونا خطرناک ہے

آج مصیبت یہ ہے کہ اکابر کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہی نہیں، عرب سے کچھ نئی کتابیں چھپ کر آ جاتی ہیں، اسی پر سارا اعتماد ہے، اسی میں دن رات مشغول رہتے ہیں جبکہ اسلاف و اکابر کے علوم و معارف کی طرف التفات نہیں۔ علمی انہماک اتنا ہونا اور اس کے ساتھ صحبت اہل اللہ کا اہتمام نہ ہونا، قسم بخدا! یہ خطرے کی چیز ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کتنے بڑے عالم تھے کہ ان کی مادری زبان اگرچہ اردو تھی لیکن عربی زبان اس سے زیادہ ان کے نزدیک آسان تھی۔ ہمارے استاد حضرت مولانا عبدالمجید حضور ڈھاکوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ علامہ سلیمان ندویؒ حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے خلاف اخبارات میں لکھتے تھے۔ میں نے اپنے استاد سے پوچھا تھا کہ کیا یہ بات صحیح ہے کہ علامہ اخبارات میں حکیم الامتؒ کے خلاف لکھتے تھے؟ تو میرے استاد مسکرانے لگے اور فرمایا ”ایسا ہی ہے، میں نے خود وہ مضامین پڑھے ہیں۔“ بہرحال! علامہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے جب تھانہ بھون پہنچے تو مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ پہلے سے پہنچے ہوئے تھے، وہ بھی حضرت کے مخالف تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ آپ کا کیسے آنا ہوا؟ دونوں نے ہی گول مول جواب دیا کہ ایک سفر درپیش تھا، سوچا مولانا سے ملتے چلیں، حالانکہ اصلاً دونوں کا مقصد حضرت حکیم الامتؒ ہی کی خدمت میں حاضری تھی، لیکن چونکہ ان کی حضرت سے مخالفت مشہور تھی تو ایک دوسرے سے چھپانے کی کوشش بھی کر رہے تھے، لیکن ؎

سن لے اے دوست جب ایام بھلے آتے ہیں
گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں

یہ قسمت کی بات ہوتی ہے میرے دوستو! کہاں تو حضرت کے مخالف کہاں آج حضرت کے دروازے پر آ گئے، دسترخوان کے مہمان بن گئے، اور قریب بیٹھ کر حضرت کی باتیں

اہتمام سے سن رہے ہیں۔کئی مجلسوں میں بیٹھنے کے بعد علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال ہوا کہ مجلس سے اُٹھے تو اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکتے تھے، میں نے اس مضمون کو حضرت کی کتاب میں خود پڑھا ہے، ایک ستون کو پکڑ لیا اور زار و قطار رو رہے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

جانے کس انداز سے تقریر کی
پھر نہ پیدا شبہۂ باطل ہوا
آج ہی پایا مزہ قرآن میں
جیسے قرآں آج ہی نازل ہوا

کیا تقریر انہوں نے سن لی تھی؟ قرآنِ پاک کی کیا تفسیر انہوں نے سن لی تھی کہ فرماتے ہیں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں؟ آہ! پہلے بھی قرآن پڑھتے تھے، تفاسیرِ قرآن تو بہت پڑھتے رہے، بلکہ لکھتے بھی رہے لیکن آج حضرت کی زبان سے کیا تفسیر سنی؟ سبحان اللہ! تفسیر کیا تھی، الہامِ ربانی تھا، حق تعالیٰ کی عنایات تھیں۔اس کے بعد لوگوں کو دعوت دی کہ لوگو! تم کہاں ہو؟ آؤ، اس اللہ والے کو دیکھ لو ؎

جی بھر کے دیکھ لو یہ جمالِ جہاں فروز
پھر یہ جمالِ نور دِکھایا نہ جائے گا

یہ اللہ والے تجلیاتِ الٰہیہ ہیں، ایک زمانہ آئے گا پھر تم کیسے دیکھو گے؟ تڑپتے رہو گے لیکن دیکھنے نہیں پاؤ گے۔پھر فرمایا اے حکیم الامت! ؎

چاہا خدا نے تو تری محفل کا ہر چراغ
جلتا رہے گا یونہی بجھایا نہ جائے گا

اللہ والے تو قیامت تک رہیں گے جن کی صحبت سے دوسرے اہل اللہ بنتے رہیں گے لیکن ایسوں کو پہچاننا، ان کی قدر کرنا، یہ نصیب کی بات ہے لیکن یاد رکھو! اہل اللہ جو دنیا میں آتے ہیں وہ بہت زیادہ نہیں ہوتے، آفتاب و ماہتاب جیسے دنیا میں زیادہ نہیں، اہل اللہ کا بھی یہ معاملہ ہے کہ ہمیشہ کم ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ العرب والعجم رحمۃ اللہ علیہ کے لئے عشق میں ڈوبا ہوا ایک شعر

مجھے اگر میرے شیخ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہ نہ ملتے تو ایسی باتیں ہمیں کہاں سے ملتیں، اس قلندرِ زمانہ سے یہ سب راز معلوم ہوئے، یہ اَسرار اور یہ حقائق معلوم ہوئے۔ تمام اکابر کی دولتوں کو میرے شیخ نے پوری دنیا میں پہنچادیا، مشرق تا مغرب، سارے جہان میں گھوم گھوم کر اس امانتِ اکابر کو پہنچایا ہے اللہ کے اس بندے نے، خدا جانے ان کا اللہ کے یہاں قربِ الٰہی کا کیا مقام ہے، پوری دنیا میں انہوں نے عشقِ الٰہی کی آگ لگادی۔ ہمارے یہاں سلہٹ میں حکیم الاسلام حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ خاص تھے مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے، بہت بڑے بزرگ تھے، حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شہر سلہٹ کے یہ قطب ہیں۔ دنیا سے بالکل ہی بے تعلق تھے، راستے سے جب گذرتے تھے تو لوگ ان کی دونوں جیبوں میں ہدایا ڈالتے رہتے تھے، انہیں کچھ خبر ہی نہیں ہوتی تھی، پیچھے اگر کوئی گاڑی آجاتی تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ ان کو ہارن دیتا کہ راستہ چھوڑیئے، بلکہ گاڑیاں بھی ان کے پیچھے پیدل کی رفتار سے چلنے لگ جاتیں، یہ تماشا ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ جب بنگلہ دیش تشریف لاتے تھے تو یہ بزرگ میرے شیخ کی دعوت کرتے تھے، حضرت والا ان کی رعایت سے ہمیشہ ضرور تشریف لے جاتے تھے، دونوں کا آپس میں بہت گہرا تعلق تھا، ان کی محبت قابلِ دید تھی۔

ایک مرتبہ میرے شیخ سلہٹ تشریف لے گئے اور وہاں بیان فرمایا۔ سلہٹ میں ایک صاحب محی السنۃ چودھری نام کے تھے، ہمارے اکابر کے میزبان تھے، مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رفیع عثمانی صاحب، مولانا تقی عثمانی صاحب سب اکابر ان کے گھر پر ٹھہرتے تھے۔ میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اسی گھر میں قیام ہوا، تو مولانا اکبر علی صاحبؒ میرے شیخ کی قیام گاہ پر تشریف لائے اور حضرت سے ملے، صوفے پر بیٹھے، میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور کافی لوگ سامنے حاضر تھے، میں بھی تھا، تو مولانا

اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت میرے شیخ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

الا یا شمس تبریزی چرا مستی دریں عالم
کہ جز مستی و مدہوشی دگر چیزے نمی بینم

اے شمس الدین تبریزی! پوری دنیا میں یہ آپ نے کیا آگ لگا دی، جس کو دیکھو عشقِ الٰہی کی آگ میں جل رہا ہے، جدھر دیکھو کیف و مستی ہے۔

صحبتِ شیخ کی اہمیت پر تین بزرگوں کے واقعات

یہ ہمارے اکابر تھے، اگر نہ ہم ان بزرگوں کو دیکھتے تو دین کو کیسے سمجھتے، دین کیا سیکھتے؟ اب لوگوں میں ایسا روگ اور بیماری پیدا ہوگئی ہے کہ اہل اللہ کے پاس جانے کے لئے فرصت ہی نہیں ملتی، سوچتے ہیں کہ وہاں جا کر کیا کریں گے؟ وہ نہ بخاری شریف پڑھاتے ہیں، نہ فتح الباری سے کوئی عبارت سناتے ہیں، نہ ابن عابدین شامی کی ردّالمحتار سے کچھ سناتے ہیں، نہ فقہی تحقیقات، نہ علومِ حدیث کی کچھ تحقیقات سناتے ہیں تو علماء وہاں کیوں اپنے اوقات ضائع کرنے کے لئے جائیں۔ اس صحبت کو اضاعتِ اوقات سمجھتے ہیں، حالانکہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند سے ۳۵ میل پیدل چل کر اپنے شیخ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گنگوہ جاتے تھے، جمعرات کو جاتے تھے اور جمعہ کی شام کو جب حضرت آرام فرماتے تھے اس وقت واپس آتے تھے۔ تو شیخ الہند رحمہ اللہ کس لئے جاتے تھے؟ پڑھنے تو نہیں جاتے تھے بلکہ پڑھاتے تو وہ دیوبند میں تھے، صرف حضرت کی صحبت اُٹھانے اور ان کی نگاہ کے انوار حاصل کرنے جاتے تھے، ان کی صحبت کے فیوض و برکات کے حصول کے لئے جاتے تھے تا کہ قلب عشقِ الٰہی سے معطر اور معمور ہو جائے۔

حضرت شاہ فضلِ رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ شاہ محمد آفاق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دن میں بار بار جاتے تھے۔ کسی نے کہا کہ میاں کیا تم پاگل ہو گئے ہو جو پیر کے پاس دن میں اتنی دفعہ جاتے ہو تو فرمایا۔

دن میں سو سو بار واں جانا مجھے	اس پہ سودائی کہے یا کوئی دیوانہ مجھے

سو بار جائیں گے، سو بار خود کو اُن پر فدا کریں گے۔ شاہ بھیک رحمۃ اللہ علیہ شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خادم تھے، اپنے شیخ پر سو جان سے فدا ہوتے تھے، ایک معمولی زندگی کے آدمی تھے، ان کو کیا رتبہ ملا اور کہاں سے کہاں پہنچ گئے، فرماتے ہیں ؎

بھیکا معالی پر واریاں دن میں سو سو بار
کاگا سے ہنس کیو اور کرت نہ لگی بار

جو پہلے کاگا یعنی کوّا تھا، گُو کھاتا تھا، وہ ہنس بن گیا، جو مردار خوری کا عادی تھا، طالبِ دنیا تھا، جو ظالم گدھ کی طرح سے دنیا پر مرتا تھا، اس کو عشقِ الٰہی اور تجلیاتِ الٰہیہ کی عادت پڑ گئی اور کچھ کام بھی زیادہ نہیں کرنا پڑا، آرام سے اپنے شیخ ابوالمعالی کی برکت سے محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہ تک پہنچ گئے تو ہم کیوں نہ ان پر سو جان سے فدا ہو جائیں ؎

تُو نے مجھ کو کیا سے کیا شوقِ فراواں کر دیا
پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کر دیا

جس نے اللہ کو چاہا اللہ اس کو ضرور ملا ہے

اس لئے میرے دوستو! چلو، اس راستے پہ چلنے کی کوشش کریں، اس راستے پر پڑے رہیں، اسی پر جینا ہے اور مرنا ہے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دم آخر دمے فارغ مباش
تا دم آخر دمے آخر بوَد
کہ عنایت با تو صاحب سِر بوَد

(ترجمہ: اس راہ میں فکر اور کوشش کرتا رہے، آخر دم تک اپنے آپ کو فارغ نہ سمجھے، یہاں تک کہ آخری سانس تک ایک لمحہ ایسا ہو جائے کہ حق تعالیٰ کی عنایت تیرے ہمراہ ہو جاوے۔)

اگر اُن کے راستے کو چھوڑو گے نہیں، اس پر پڑے ہی رہو گے تو کبھی نہ کبھی اللہ جل شانہ کا کرم ان شاء اللہ ہو ہی جائے گا، وہ محبوبِ پاک تمہیں مل ہی جائیں گے۔ حضرت حکیم الامت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قسم کھائی ہے کہ میں قسم بخدا کہتا ہوں کہ جس نے اللہ کو چاہا، اللہ اس کو ضرور مل گیا، میرے دوست! تُو نے اللہ کو چاہا ہی نہیں، اس لئے تجھے اللہ نہیں ملے ؎

آہِ من گر اثرے داشتے
یار بکویم گذرے داشتے

(ترجمہ: اگر میری آہ میں کچھ اثر ہوتا تو میرا محبوب میری گلی میں ضرور آجاتا۔) اس لئے طلبہ کرام اور مدارس کے مدرسین علمائے دین سے عرض کرتا ہوں کہ آپ لوگ اتنی محنت کرتے ہیں، اتنی مشقتیں جھیلتے ہیں، آخر کس لئے؟ عالم بن گئے، محدث بن گئے، شیخ الحدیث بن گئے، مفتی صاحب بن گئے، مصنف بن گئے، سب کچھ ہو گیا لیکن اگر اللہ نہیں ملا تو پھر کیا ملا؟ اور اگر یہ ہوا کہ اللہ مل گیا اور اس کا احساس بھی ہو گیا کہ اللہ کو پا گیا لیکن اور کچھ بھی نہ ہوا تو پھر کیا نقصان ہے ؎

جو تُو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری
اگر اِک تُو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری

اللہ حاصل ہونا چاہئے کہ نہیں؟ اس لئے اہلِ مدارس کا مقصد یہ ہو کہ ہم ایسے عالم دین ہونا چاہتے ہیں جس کو اللہ مل جائے، جیسے کہ مولانا شمس الحق فرید پوری رحمۃ اللہ علیہ تھے، عالم بھی تھے، اللہ والے بھی تھے، مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ عالم بھی تھے، اللہ والے بھی تھے، مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ عالم بھی تھے اللہ والے بھی تھے۔ اسی طرح ہمارے جتنے اکابرِ دیوبند تھے سب عالم بھی تھے اور اللہ والے بھی تھے، دارالعلوم دیوبند میں ایک زمانہ ایسا تھا کہ دربان سے لے کر مہتمم تک ہر شخص صاحبِ نسبت ولی اللہ تھا، تو ہمیں یہی چاہئے کہ نہیں؟ اگر اللہ تعالیٰ خوش ہیں تو مقصد حاصل ہے، وہ اگر ناراض ہیں تو سب کچھ برباد ہے۔ لہٰذا اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہر شخص کو خود ایک ایک عیب کی اصلاح کی فکر ہونی چاہئے، ہر وقت کون میری نگرانی کرے گا؟ خود مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنی ذات پر نگرانی رکھوں، انسان بنوں، انسانیت حاصل ہو، جتنے داغ دھبے ہیں سب دُھل جائیں اور پاک وصاف زندگی حاصل ہو جائے۔ اس کا

لطف ہی الگ ہے، اس کی بہار ہی الگ ہے، اس کی لذت ہی الگ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عطا فرما دیں یہ نعمت!

دینی مدارس کے اساتذہ اور طلبہ کے لئے کرنے کے تین کام

اگر یہ ہمارے طلبہ کرام اور مدرسے کے اساتذۂ کرام تین ہی کام کر لیں کہ (۱) گناہ نہ کریں (۲) اہل اللہ کے ساتھ تعلق رکھیں (۳) اکابر کے طریق پر جینا اور مرنا رکھیں، پھر تو ان لوگوں کا بادشاہوں سے بڑھ کر مقام ہے۔ کوئی پوچھے نہ پوچھے ان کو تخت و تاج سے بڑھ کر اونچا مقام حاصل ہے۔ اکابر کے طریق کا صرف نعرہ ہی مت لگاؤ بلکہ اکابر کی تصنیفات، تالیفات، مواعظ، ملفوظات کے مطالعہ کو شیوۂ زندگی اور شیوۂ حیات بناؤ، اپنے بچوں کو سکھاؤ کہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ و ملفوظات کو پڑھیں۔ اپنے اکابر کی کتابیں اپنی اولاد کے ہاتھ میں دو، ان کو پڑھاؤ، ان کو پڑھنے کے لئے تاکید کرو، ان شاء اللہ اس طرح سے کام بن جائے گا، اہل اللہ کی دو چار باتوں سے زندگی بدل جاتی ہے۔

بس بھئی! اللہ تعالیٰ اس مجلس کو قبول فرمائے۔ ایک بیان تو ابھی بعد تراویح بنگلہ زبان میں ہوا تھا، پھر ہمارے بیٹے مولانا حسن کی خواہش تھی کہ کچھ اردو میں بھی بیان ہوجائے۔ ان کی بے چینی اصل میں دنیا بھر کے ہمارے اردوداں دوستوں کی ترجمان ہے۔ پھر جب ہم سمجھتے ہیں کہ یہ چھوڑے گا نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ چلو بھئی! دو چار جملے اردو میں بھی سنا دیتے ہیں۔ لیکن ہمیشہ کا ہمارا تجربہ ہے کہ جب ایسے اردوداں دوستوں کی خاطر کچھ دین کی باتیں ہوتی ہیں تو میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ اور میرے اکابر رحمۃ اللہ علیہم کی برکت سے حق تعالیٰ کے فضلِ خاص کا مجھے مشاہدہ ہوتا ہے۔ ایسی ایسی باتیں اس وقت عنایت ہوتی ہیں کہ پہلے سے جس کا مجھے خیال بھی نہیں ہوتا۔

اچھا اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ اے اللہ! اس بیان کو اپنی رحمت سے قبول فرما، اے اللہ! ہم سب کو اولیائے صدیقین میں شامل فرما، اکابرِ دین کے وارثین

کاملین اپنے کرم سے بنادے، تقویٰ کی زندگی عطا فرما، ہر گناہ سے حفاظت عنایت فرما اور روروکر آپ کو خوش کرنے کی توفیق عطا فرما اور اپنے اکابر کے طریق پر جینا مرنا نصیب فرما۔ اے اللہ! اکابرِ دین کی عظمت ومحبت ہمارے قلوب میں عنایت فرمادیجئے اور اکابرِ دین کے اتباع کی توفیقات سے ہمیں نوازش فرمادیجئے۔ اے اللہ! ہم سب کو عافیتِ ظاہری وباطنی عطا فرمادیجئے، صحتِ ظاہری وباطنی سے نوازش فرمادیجئے، اے اللہ! ہم سب کو، ہمارے گھر والوں کو، ہمارے بچوں کو، ہمارے خویش واقارب، دوستوں کو اور ان کے گھر والوں کو، ان کے بچوں کو اپنا بنا لیجیے اور عافیتِ دارین سے نوازش فرمادیجئے۔ اے اللہ! جس کو جس گناہ کی عادت ہے، اس گناہ سے آپ چھٹکارا عنایت فرمادیجئے۔ اے اللہ! اپنی محبت، اپنی معرفت ہمیں عنایت فرمادیجئے، آپ ﷺ کی محبت، معرفت اور عظمت سے ہمیں نوازش فرمادیجئے، اتباعِ شریعت واتباعِ سنت والی زندگی ہمیں عنایت فرمادیجئے۔ نفس کے مکائد سے ہماری حفاظت فرمائیے، ہر لمحہ، ہر قدم دستگیری فرمائیے۔ وہ جماعت، وہ زمرہ کہ تاقیامت جن کے ساتھ آپ کی دستگیری ہر حال میں شامل رہے گی، اے اللہ! ان حضرات کے ساتھ ہمیں قبول فرمائیے۔ ضالّین مضلّین سے ہم سب کو، پوری امتِ مسلمہ کو بچائیے اور ہمارے ملک پر اور تمام عالمِ اسلام پر اے اللہ! اپنے کرم کی بارش فرمادیجئے، عافیت ہی عافیت عطا فرمادیجئے، اور یہ ایک جو مصیبت کورونا وائرس پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، اے اللہ! اس مصیبت سے نجات عطا فرمادیجئے، اے اللہ! جو لوگ ہمارے دوستوں اور رشتہ داروں میں مریض ہوگئے ہیں، پوری دنیا میں جہاں بھی مسلمان اس مصیبت اور بیماری میں مبتلا ہیں، اے اللہ! اپنے کرم سے شفا عنایت فرمادیجئے، علاج معالجہ کا بہتر سے بہتر انتظامِ کامل فرمادیجئے۔ اے اللہ! ہم سب کو، ہمارے گھر والوں کو، احباب ومحبین میں جو لوگ جس بیماری میں بھی مبتلا ہیں سب کو عافیتِ کاملہ، صحتِ کاملہ، دائمہ، تامہ، مستمرہ عنایت فرمادیجئے۔ اے اللہ! جو ہمارے خویش واقارب اور محبین ومحبوبین دنیا سے چلے گئے ان کی مغفرت فرمادیجئے، جنت میں اعلیٰ مقام عنایت فرمادیجئے، خصوصاً

ہمارے حضرات اکابر رحمۃ اللہ علیہم کے درجات بے شمار بلند فرما دیجئے، سلاسلِ اربعہ کے تمام اولیاء اللہ، تمام مشائخ کے درجات کو بے شمار بلند فرما دیجئے خاصتاً میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے درجات خوب بلند فرما دیجئے، اخص الخاص مقامِ قرب سے نوازش فرما دیجئے۔ اے اللہ! تمام علمائے دین کی اور تمام مدارسِ دینیہ کی، مراکزِ دینیہ کی حفاظت فرمایئے، ان کی تمام حاجتیں اپنے خزانۂ غیبیہ سے پوری فرما دیجئے۔ اے اللہ! ہماری تمام دعاؤں کو اپنے کرم سے قبول فرما لیجیے، یاارحم الراحمین رحمت للعالمین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے قبول فرما لیجیے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَللّٰهُمَّ عَافِنَا وَاعْفُ عَنَّا اَللّٰهُمَّ كُنْ لَّنَا وَاجْعَلْنَا لَكَ اَللّٰهُمَّ كُلَّ خَيْرٍ لِّكُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ

اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هُدَاةً مُّهْتَدِيْنَ غَيْرَ ضَآلِّيْنَ وَلَا مُضِلِّيْنَ اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ كُلِّ بَلَآءِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِنَا وَدُنْيَانَا فِيْ اَهْلِنَا وَمَالِنَا رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ

صبح دس بجے والی گاڑی سے چند حضرات تشریف لائے، منجملہ اور حضرات کے حافظ عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم بھی تھے۔ حافظ صاحب سے بابو ولی محمد صاحب کا ذکر آیا۔ حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ بابو صاحب کہاں پر ہیں؟ عرض کیا کہ رنگون گئے ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ اس سے بڑا جی خوش ہوا کہ ان کا تعلق مدرسہ ہی سے رہا، ہیں بھی کام کے آدمی، اس عمر میں علمِ دین حاصل کرنا ہمت کی بات ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب ان کو بابو نہ کہوں مولوی کہوں مگر پھر پتہ صحیح سمجھ میں نہ آنے کے خیال سے کہنا ہی پڑتا ہے۔ بطورِ مزاح فرمایا کہ علمِ دین حاصل کرکے بھی بابو ہی رہے۔ مدرسہ سے ان کا تعلق رہنا یہ بھی خدا کی بڑی رحمت ہے، اس لئے کہ جماعت سے جدا ہو کر وہ حالت ہی نہیں رہتی۔ یہ سب ملے جلے رہنے کی برکت ہوتی ہے کہ آدمی اپنے کام میں لگا رہتا ہے اور اسی میں عافیت ہے بڑوں کے لئے بھی اور چھوٹوں کے لئے بھی یعنی جیسے چھوٹوں کو ضرورت ہے کہ بڑوں کی صحبت ہو، اسی طرح بڑوں کو ضرورت ہے کہ چھوٹوں کی صحبت ہو۔ (ملفوظات حکیم الامت ج ۱ ص ۲۵)